عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

ہفت روزہ
ختم نبوۃ

INTERNATIONAL URDU WEEKLY
KHATM-E-NUBUWWAT
KARACHI PAKISTAN

جلد ۲۴ | ۲۰ تا ۲۶/ جمادی الثانی ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۷ تا ۳۱/ جولائی ۲۰۰۵ء | شمارہ: ۲۸

اسوۂ ابراہیم اور شیوۂ آزری

مسلمانوں کے لئے راہِ عمل

تقویٰ اور اہلِ تقویٰ

میدانِ مباحثہ اور مرزائی گروہ

مصائب و مشکلات اور اہلِ حق

Email: editorkn@yahoo.com

Website: http://www.khatme-nubuwwat.org
http://www.khatm-e-nubuwwat.com

شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

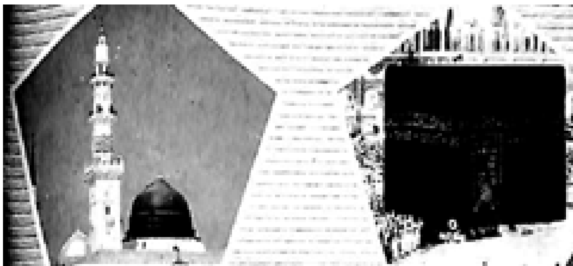

آپ کے مسائل

مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں چالیس نمازوں کی ادائیگی:

س:...... میں عمرہ پر گیا۔ عمرہ ادا کرکے مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حاضری دی اور اپنی نیت کے مطابق دونوں جگہ ایک ایک جمعہ پڑھ کر واپس آ گیا' یعنی مدینہ شریف میں چالیس نمازیں پوری نہیں کیں۔ کیا اس کا کوئی گناہ ہے؟

ج:...... گناہ تو کوئی نہیں' مگر مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس طرح چالیس نمازیں پڑھنے کی ایک خاص فضیلت ہے کہ تکبیر تحریمہ فوت نہ ہو' یہ فضیلت حاصل نہیں ہوئی۔

اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں:

س:...... کسی نفع و نقصان کو پیش نظر رکھ کر کوئی آدمی کوئی قدم اٹھائے اور بیماری کے حملہ آور ہونے سے پہلے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا' کہیں یہ توکل کے خلاف تو نہیں؟ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا صحیح مفہوم سمجھا دیجئے۔

ج:...... توکل کے معنی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے ہیں' اور بھروسہ کا مطلب یہ ہے کہ کام اسباب سے بنتا ہوا نہ دیکھے' بلکہ یوں سمجھے کہ اسباب کے اندر مشیت الٰہی کی روح کارفرما ہے' اس کے بغیر تمام اسباب بیکار ہیں۔

مطلقاً ترک اسباب کا نام توکل نہیں' بلکہ اس بارے میں تفصیل ہے کہ جو اسباب ناجائز اور غیر مشروع ہوں' ان کو توکل بر خدا بالکل ترک کردے' خواہ فوراً یا تدریجاً' اور جو اسباب مشروع اور جائز ہیں' ان کی تین قسمیں ہیں اور ہر ایک کا حکم الگ ہے:

۱:...... وہ اسباب جن پر مسبب کا مرتب ہونا قطعی و یقینی ہے' جیسے کھانا کھانا' ان اسباب کا اختیار کرنا فرض ہے اور ان کا ترک کرنا حرام ہے۔

۲:...... ظنی اسباب' جیسے بیماریوں کی دوا دارو' اس کا حکم یہ ہے کہ ہم ایسے کمزوروں کو ان اسباب کا ترک کرنا بھی جائز نہیں' البتہ جو حضرات قوتِ ایمانی اور قوتِ توکل میں مضبوط ہوں' ان کے لئے اسباب ظنیہ کا ترک جائز ہے۔

۳:...... وہمی اور مشکوک اسباب' یعنی جن کے اختیار کرنے میں شک ہو کہ مفید ہوں گے یا نہیں؟ ان کا اختیار کرنا سب کے لئے خلاف توکل ہے' گو بعض صورتوں میں جائز ہے' جیسے جھاڑ پھونک وغیرہ۔

توفیق کی دعا مانگنے کی حقیقت:

س:...... توفیق کی تشریح فرما دیجئے۔ دعاؤں میں اکثر خدا سے دعا کی جاتی ہے کہ اللہ فلاں کام کرنے کی توفیق دے۔ مثال کے طور پر ایک شخص یہ دعا کرتا ہے کہ اللہ مجھے نماز پڑھنے کی توفیق دے مگر وہ صرف دعا ہی پر اکتفا کرتا ہے اور دوسروں سے یہ کہتا ہے کہ جب مجھے توفیق ہوگی تب میں نماز شروع کروں گا۔ اس سلسلے میں وضاحت فرما دیجئے تاکہ ہمارے بھائیوں کی آنکھوں پر پڑا ہوا توفیق کا پردہ اتر جائے۔

ج:...... توفیق کے معنی ہیں کسی کارِ خیر کے اسباب من جانب اللہ مہیا ہو جانا' جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے تندرستی عطا فرما رکھی ہے اور نماز پڑھنے سے کوئی مانع اس کے لئے موجود نہیں' اس کے باوجود وہ نماز نہیں پڑھتا بلکہ صرف توفیق کی دعا کرتا ہے' وہ درحقیقت سچے دل سے دعا نہیں کرتا بلکہ نعوذ باللہ دعا کا مذاق اڑاتا ہے' ورنہ اگر وہ واقعی اخلاص سے دعا کرتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ نماز سے محروم رہتا۔

ہفت روزہ ختم نبوت

حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم

حضرت مولانا سید نفیس الحسینی صاحب دامت برکاتہم

مدیر اعلیٰ: مولانا عزیز الرحمن جالندھری
نائب مدیر اعلیٰ: مولانا محمد اکرم طوفانی
مدیر: مولانا اللہ وسایا

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ
مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ
مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ
شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ
امام اہل سنت حضرت مولانا مفتی احمد الرحمنؒ
حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ
مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ
مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد الرحیم اشعرؒ

مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر
مولانا نذیر احمد
صاحبزادہ مولانا عزیز احمد
علامہ احمد میاں حمادی
مولانا سعید احمد جلالپوری
صاحبزادہ طارق محمود
مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

مولانا مفتی محمد راشد مدنی
سرکولیشن منیجر: محمد انور رانا
مولانا عبد الناصر شاہد
قانونی مشیر: حشمت حبیب ایڈووکیٹ
منظور احمد میو ایڈووکیٹ
محمد ارشد مخدوم
محمد فیصل عرفان

اس شمارے میں

مسلمانوں کے ایمان کا تحفظ ۔۔۔ ایک اہم دینی فریضہ	(اداریہ)	4
مسلمانوں کے لئے راہ عمل	(مولانا ابو الحسن علی ندویؒ)	6
ختم نبوت کا مفہوم	(مولانا محمد حفظ الرحمن سیوہارویؒ)	10
مصائب و مشکلات اور اہل حق	(مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی)	15
اسوۂ ابراہیمی اور شیوۂ آزری	(مولانا سعید الرحمن اعظمی)	17
تقویٰ اور اہل تقویٰ	(مرسلہ: عبد اللہ)	20
میدان مباحثہ اور مرزائی گروہ	(مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ)	23

لندن آفس:
35, Stockwell Green,
London, SW9 9HZ U.K.
Ph: 0207-737-8199

مرکزی دفتر حضوری باغ روڈ، ملتان
Hazori Bagh Road, Multan.
Ph: 583486-514122 Fax: 542277

جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)
Jama Masjid Bab-ur-Rehmat (Trust)
Old Numaish M.A. Jinnah Road, Karachi.
Ph: 7780337 Fax: 7780340

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمانوں کے ایمان کا تحفظ.....ایک اہم دینی فریضہ

بعض اطلاعات کے مطابق قادیانی ایجنٹ لوگوں کو یورپ بھجوانے کے بہانے ان سے لاکھوں روپے اینٹھ رہے ہیں' جبکہ یورپ بھجوانے کے لئے یہ قادیانی ایجنٹ ان افراد کو قادیانی ظاہر کرتے ہیں اور اس حوالے سے ان افراد کا نیا شناختی کارڈ اور دیگر دستاویزات بنواتے ہیں جس کے ذریعہ بعدازاں قادیانی دنیا بھر میں اپنی تعداد میں اضافے کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ پاکستان میں یہ واقعات نئے نہیں۔ اس سے قبل عیسائیوں اور توہین رسالت کے بعض ملزمان کے یورپ فرار ہونے اور اس سلسلے میں پاکستان میں کام کرنے والی این جی اوز کے بھیانک کردار کی خبریں اخبارات میں شائع ہوتی رہی ہیں۔

قادیانی' عیسائی' یہودی اور این جی اوز ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ ان کے نام مختلف ہیں لیکن ان کا کام ایک ہی ہے' اور وہ کام ہے اسلام کی بنیادوں کو ڈھانے کی کوشش کرنا۔ ان تمام گروہوں کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ان کا طریقہ واردات ایک دوسرے سے ملتا جلتا اور مشابہ دکھائی دیتا ہے۔ روپے پیسے کا لالچ دینا' بیرون ملک بھجوانے کا جھانسہ دینا' نوکری اور چھوکری کا لالچ دینا اور اس کے بدلے ایمان کا سودا کرنے کی ترغیب دینا ان کا بنیادی طریقہ کار ہے۔ اگر مسلمان غور کریں تو انہی حربوں کے ذریعہ ان پر ان گروہوں کا باطل ہونا کھل جائے گا۔

دنیا میں کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام علیہم السلام تشریف لائے' جنہوں نے مخلوق خدا کو اللہ کی وحدانیت اور دین حق اسلام کو قبول کرنے کی دعوت دی۔ کسی بھی نبی نے کسی شخص کو یہ دعوت نہیں دی کہ اگر وہ ایمان لے آئے تو اسے اتنی رقم دی جائے گی' یا بیرون ملک بھجوا دیا جائے گا' یا نوکری مہیا کی جائے گی' یا نعوذ باللہ عورت فراہم کی جائے گی' بلکہ اس قسم کی لغویات کا تصور تک ان کے یہاں نہیں پایا جاتا تھا۔ کسی نبی نے بیرون ملک بھجوانے کا جھانسہ دے کر لوگوں کو جبری طور پر اپنا پیروکار نہیں بنایا اور نہ لوگوں سے اس بہانے پیسے بٹورے' بلکہ ان مقدس شخصیات کے بارے میں اس بات کا تصور بھی توہین رسالت ہے' جس سے ایمان جاتا رہتا ہے۔

اس کے بالمقابل انبیائے کرام علیہم السلام پاکیزہ تعلیمات کے حامل ہوتے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی جانب سے اپنے پیروکاروں کو دشمنوں کے مظالم پر صبر وتحمل کی تلقین اور ایمان کی خاطر مشقتیں برداشت کرنے پر اجر کا وعدہ کیا جاتا تھا اور ان کے پیروکار مشقتیں برداشت کرتے رہے حتیٰ کہ ایمان کی خاطر جان تک قربان کردینے کے واقعات ملتے ہیں۔

اس کے برعکس فرعون' نمرود' شداد' ہامان' ابوجہل' ابولہب' اور دیگر ملعونوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے۔ آپ کو ان کا طریقہ کار وہی نظر آئے گا جو آج کل قادیانیوں' عیسائیوں اور این جی اوز نے اختیار کیا ہوا ہے اور وہ ملعون اسی طرح زن' زر' زمین کا لالچ دیتے دکھائی دیں گے جس طرح آج قادیانی' عیسائی اور این جی اوز دے رہے ہیں۔

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگی کہ قادیانی' عیسائی اور این جی اوز فرعون' نمرود' ہامان' ابوجہل اور ابولہب کی روش پر چل رہے ہیں' جبکہ مسلمانوں کو دور حاضر میں انبیائے کرام علیہم السلام کے سچے پیروکار ہونے کی بنا پر اسی قسم کی مشکلات اور تکالیف پیش آ رہی ہیں' جیسی انبیائے کرام علیہم السلام کے سچے پیروکاروں کو ہمیشہ سے پیش آتی رہی ہیں۔ یہ مسلمانوں کے دین حق اور صراط مستقیم پر قائم ہونے اور قادیانیوں' عیسائیوں وغیرہ کے باطل پر ہونے کی واضح دلیل ہے۔

الحمد للہ! مسلمانوں نے کسی موقع پر کسی کو جبری طور پر مسلمان نہیں بنایا بلکہ خود اسلام میں اللہ نے وہ کشش رکھی ہے کہ قادیانی' عیسائی' یہودی' ہندو اور دیگر مذاہب کے پیروکار جوق در جوق اسلام قبول کر رہے ہیں اور خود اپنے سابقہ مذاہب کی برائیاں بیان کر رہے ہیں۔

ہم اس موقع پر مسلمانوں سے بھی یہ کہنا چاہیں گے کہ وہ اپنی اولاد پر نظر رکھیں کہ کہیں وہ بیرون ملک جانے کے چکر میں پڑ کر کسی قادیانی کے ہاتھوں اپنی متاع ایمان ہی سے محروم نہ ہو جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان قادیانی قزاقوں کا قلع قمع کرنے اور مسلمانوں کو قادیانی بنا کر بیرون ملک بھیجنے والے ان سارقین ایمان کے خلاف عملی جہاد میں حصہ لینا ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے اور اپنی نئی نسل کے ایمان کے تحفظ کے لئے اس جہاد میں شرکت کیجئے اور اس قسم کے گروہوں کی اطلاعات عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کو دے کر مسلمانوں کے ایمان کے تحفظ کا فریضہ انجام دیجئے۔ قیامت کے دن آپ کا یہ عمل انشاء اللہ آپ کے لئے باعث نجات ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

ضروری اعلان

جلد کی تبدیلی کے بعد ہفت روزہ ''ختم نبوت'' کے اندرون و بیرون ملک کے تمام قارئین کے نام بقایا جات کی ادائیگی کے سلسلے میں یاددہانی کے خطوط ارسال کئے جا چکے ہیں۔ جن حضرات کے نام بقایا جات واجب الادا ہیں وہ فوراً اپنی رقم بنام ہفت روزہ ''ختم نبوت'' کراچی بذریعہ منی آرڈر' چیک یا ڈرافٹ ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

نوٹ : خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کی وضاحت ضرور فرمائیں۔

(ادارہ)

مسلمانوں کے لئے راہِ عمل

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اس وقت پورا عالم اسلام خاص طور پر ہمارا ملک' جو صدیوں تک اسلامی اقتدار' عزت وشرف اور اسلامی علوم وفنون کا مرکز رہا ہے' اور جہاں ایسی زبردست اصلاحی تحریکیں' مصلحین اور علمائے ربانیین پیدا ہوئے' جن کی دعوت واثرات عالم اسلام کے دور دراز ملکوں تک پہنچے' ایک ایسے آزمائشی دور سے گزر رہا ہے' جس کی نظیر گزشتہ تاریخ میں صدیوں تک نہیں ملتی' اس دور آزمائش میں مسلمانوں کا صرف ملی تشخص' دین کی دعوت وتبلیغ کے مواقع وامکانات' ملک ومعاشرہ کو صحیح راستہ پر لگانے' اس کائنات کے خالق ومالک کی صحیح معرفت وعبادت اور دین صحیح کی طرف رہنمائی کی صلاحیت اور استطاعت تو بڑی چیز ہے' ان کی زندگی کا تسلسل' جسمانی وجود' عزت وآبرو' مساجد ومدارس' اور صدیوں کا دینی وعلمی اثاثہ اور قیمتی سرمایہ بھی خطرہ میں پڑ گیا ہے' وہ نہ صرف دور دراز قصبات اور دیہاتوں میں' بلکہ بڑے بڑے مرکزی شہروں میں بھی جہاں وہ بڑی تعداد میں بستے ہیں اور ممتاز صلاحیتوں' ذاتی امتیازات اور مہارتوں کے مالک ہیں' کچھ عرصہ سے خوف وہراس کی زندگی گزار رہے ہیں اور کہیں کہیں ان کا نقشہ بعینہ وہ ہو گیا ہے جس کی تصویر قرآن مجید نے اپنے بلیغ ومعجزانہ الفاظ میں اس طرح کھینچی ہے:

''زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں بھی ان پر دوبھر ہو گئیں۔''

(سورۂ توبہ:۱۱۸)

اس صورت حال کی اگر کوئی مثال پچھلی تاریخ میں مل سکتی ہے تو وہ ساتویں صدی ہجری (تیرہویں صدی عیسوی) میں تاتاریوں کا ترکستان' ایران اور عراق پر حملہ ہے' جس نے شہر کے شہر بے چراغ اور تودۂ خاک بنا دیے تھے اور عالم اسلام کی چولیں ہل کر رہ گئی تھیں' لیکن وہ ایک نیم وحشی قوم کی فوجی یلغار تھی' جس کے ساتھ کوئی دعوت' تہذیب' فلسفہ' مذہبی نفرت وتعصب اور جسمانی ومعنوی نسل کشی کا منصوبہ یا ارادہ نہ تھا' اور نہ وہ کسی متوازی تہذیب وفلسفہ کے حامل تھے' اس وقت خوش نصیبی سے وہ اہل دل' صاحب روحانیت' دین کے مخلص اور صاحب تاثیر داعی ومبلغ بھی موجود تھے' جن کے اثر وصحبت سے پوری کی پوری تاتاری قوم' جو لاکھوں کی تعداد میں تھی' اسلام کی حلقہ بگوش ہی نہیں' دین حق کی حامی ومحافظ اور علمبردار بن گئی اور اس نے متعدد وسیع وزبردست اسلامی سلطنتیں قائم کیں' مشہور مؤرخ ٹی ڈبلیو آرنلڈ اپنی کتاب ''دعوت اسلام'' میں لکھتا ہے:

''لیکن اسلام اپنی گزشتہ شان وشوکت کے خاکستر سے پھر اٹھا اور واعظین اسلام نے انہی وحشی مغلوں کو جنہوں نے مسلمانوں پر کوئی ظلم ایسا نہ تھا جو اٹھا نہ رکھا ہو' مسلمان کر لیا۔''

آج کی صورت حال' خاص طور پر جن ممالک میں مسلمان عددی لحاظ سے اقلیت میں ہیں اور ماضی میں وہ حکومت واقتدار کے منصب پر فائز رہ چکے ہیں' دوسرے اسلامی ممالک سے مختلف اور زیادہ نازک ہے' یہاں ان کی تاریخ ایک علمی اور سیاسی سازش کے تحت اس طرح مرتب اور پیش کی گئی ہے کہ وہ اکثریت میں بغض ونفرت اور انتقامی جذبہ پیدا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے' پھر بعض اوقات ان ممالک کی سیاسی قیادتوں یا وقتی پیش آمدہ مسائل میں مسلمانوں کی رہنمائی ونمائندگی کرنے والی تنظیموں اور جماعتوں نے غیر معتدل جذباتیت' ناعاقبت اندیشی اور نام ونمود حاصل کرنے کے شوق میں ہنگامہ خیزی سے کام لینے کی غلطی کی: وہاں مسلمان شدید مذہبی منافرت اور تعصب تہذیبی وثقافتی محاذ آرائی کا شکار ہوئے' پھر

نصاب تعلیم‘ صحافت اور ابلاغ عامہ کے ذریعہ مسلمانوں کی آئندہ نسل کو اولاً تہذیبی و ثقافتی ارتداد‘ ثانیاً (خاکم بدہن) ایمانی و اعتقادی ارتداد کا شکار بنانے کا منصوبہ بنایا گیا اور اس کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے‘ یہ حالات یقیناً نہ صرف ایمانی و مذہبی غیرت اور پختہ دینی شعور رکھنے والوں کے لئے‘ بلکہ حالات پر سطحی نظر رکھنے والے مسلمانوں کے لئے بھی جو گردوپیش کے حالات کو دیکھتا‘ اخبارات پڑھتا اور خبریں سنتا ہے‘ سخت تشویش آمیز ہیں‘ وہ کبھی مایوسی اور بعض اوقات حالات کے سامنے سپر انداز ہوجانے پر بھی آمادہ کرتے ہیں‘ لیکن اس خدائے واحد پر ایمان رکھنے والے مسلمان کے لئے جس کے ہاتھ میں اس کارخانہ عالم کی باگ ڈور ہے‘ اپنے دین کا محافظ‘ حق کا حامی‘ مظلوم کی مدد کرنے والا‘ پامال اور خستہ حال کو اٹھانے والا اور سرکش ومتکبر کو نیچا دکھانے والا ہے اور جس کی شان یہ ہے کہ:

”الا لہ الخلق و الامر۔“

ترجمہ: ”دیکھو سب مخلوق بھی اس کی ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے۔“

کوئی انقلاب اور تغیر حال ناممکن نہیں‘ اس خدائے واحد کے بارے میں مسلمان شہادت دیتا ہے کہ:

”کہو کہ اے خدا! (اے) بادشاہی کے مالک! تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے‘ اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے‘ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے‘ اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے‘ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے‘ اور تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار میں جان پیدا کرتا ہے‘ اور تو ہی جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق بخشتا ہے۔“

(سورۂ آل عمران:۲۶‘۲۷)

ایک ایسے ہی موقع پر جب ایک مفتوح و مغلوب قوم کے غالب آنے اور ایک فاتح اور غالب ملک کے مغلوب ہونے کے بارے میں کوئی امید تھی نہ کوئی پیشگوئی کی جرأت کرسکتا تھا‘ قرآن مجید میں صاف فرمایا گیا ہے:

”پہلے بھی اور پیچھے بھی خدا ہی کا حکم ہے‘ اور اس روز مومن خوش ہوجائیں گے خدا کی مدد سے وہ جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے‘ اور وہ غالب و مہربان ہے۔“

لیکن اس تبدیلی حال اور اس خطرے سے بچنے کے لئے جواب مشاہدہ اور تجربہ کی شکل میں آگیا ہے‘ کچھ خدائی قانون‘ اس کے بھیجے ہوئے آخری پیغمبر انسانیت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات اور خود ان کا اسوۂ سنت اور ان کے تربیت یافتہ اصحاب کاملینؓ کا نمونہ عمل ہے‘ پیش نظر مضمون میں قرآن و حدیث سیرت نبوی اور اسوۂ صحابہؓ کی روشنی میں چند شرائط و ہدایات کو پیش کیا جارہا ہے:

ا:...... اس وقت دنیا کے تمام مسلمانوں...... کا سب سے پہلا فرض اور ضروری کام رجوع الی اللہ‘ انابت‘ توبہ واستغفار اور دعا و ابتہال (گریہ وزاری) ہے‘ قرآن مجید کی صریح آیت ہے:

”اے ایمان والو! مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے‘ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

(سورۂ بقرہ:۱۵۳)

ایک دوسری آیت میں فرمایا:

”بھلا کون بے قرار کی التجا کو قبول کرتا ہے جب وہ اس سے دعا کرتا ہے؟ اور کون اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے؟ اور (کون) تم کو زمین میں (اگلوں کا) جانشین بناتا ہے؟“ (سورۂ نمل:۶۲)

دوسری جگہ فرمایا گیا:

”اے ایمان والو! اللہ کے آگے سچی توبہ کرو‘ عجب کیا ہے کہ تمہارا پروردگار (اس سے) تمہارے گناہ تم سے دور کردے۔“ (سورۂ تحریم:۸)

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ ذرا بھی کوئی پریشانی کی بات پیش آتی تو فوراً نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے اور دعا میں مشغول ہوجاتے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی پریشانی کی بات پیش آتی تو آپ نماز شروع کردیتے۔“

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب تیز ہوا والی رات ہوتی تو آپؐ کی پناہ گاہ مسجد

ہوتی، آپؐ وہاں اس وقت تک تشریف رکھتے کہ ہوا ٹھہر جاتی، اگر آسمان میں سورج یا چاند کو گہن پڑتا تو نماز ہی کی طرف آپؐ کا رجوع ہوتا اور آپؐ اس وقت تک مشغول رہتے کہ گہن ختم ہو جاتا۔''

اس بنا پر اس وقت دعا و مناجات، تلاوت قرآن پاک خاص طور پر ان آیات اور سورتوں کی تلاوت کا اہتمام کیا جانا چاہئے، جن میں امن و امان اور فتح و نصرت کا مضمون آیا ہے، مثلاً سورۂ قریش، اور آیت کریمہ "لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظٰلمین" کا ورد رکھا جائے۔

۲:..... دوسری شرط اور ضروری اور فوری قدم یہ ہے کہ معصیتوں سے توبہ کی جائے، گناہوں سے اجتناب اور احتراز برتا جائے، حقوق کی ادائیگی ہو۔

اس سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اس ایک فرمان کا حوالہ دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے، جو انہوں نے اپنی افواج کے ایک قائد کو بھیجا، وہ تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ کے بندہ امیرالمؤمنین عمر کا یہ ہدایت نامہ منصور بن غالب کے نام! جب کہ امیرالمؤمنین نے ان کو اہل حرب سے اور ان اہل صلح سے جو مقابلہ میں آئیں، جنگ کرنے کے لئے بھیجا ہے، امیرالمؤمنین نے ان کو یہ حکم دیا ہے کہ ہر حال میں تقویٰ اختیار کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ بہترین سامان، موثر ترین تدبیر اور حقیقی طاقت ہے، امیرالمؤمنین ان کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے دشمن سے زیادہ اللہ کی معصیت سے ڈریں، کیونکہ گناہ دشمن کی تدبیروں سے زیادہ انسان کے لئے خطرناک ہے اور ان کے گناہوں کی وجہ سے ان پر غالب آجاتے ہیں، اگر ہم اور وہ دونوں معصیت میں برابر ہو جائیں تو وہ قوت اور تعداد میں ہم سے بڑھ کر ثابت ہوں گے، اپنے گناہوں سے زیادہ کسی کی دشمنی سے چوکنا نہ ہوں، جہاں تک ممکن ہو اپنے گناہوں سے زیادہ کسی چیز کی فکر نہ کریں۔''

(تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اوّل)

۳:..... غیرمسلموں کو اسلام سے متعارف کرانے کی کوشش کریں اور ایسے کسی موقع کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں، ہمارے پاس سب سے بڑی طاقت وہ فطری، معقول، پرکشش اور دل و دماغ کو تسخیر کرنے والا دین، قرآن مجید کا اعجازی صحیفہ، نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی دلکش اور دلآویز سیرت اور اسلام کی قابل فہم، قابل عمل اور عقل سلیم کو متاثر کرنے والی تعلیمات ہیں، جو اگر کھلے دماغ اور صاف ذہن سے پڑھی جائیں تو اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتیں اور انہی نے دنیا کے وسیع ترین رقبہ اور متمدن اور ذہین قوموں کو اپنا عاشق اور اپنے اوپر کاربند بنالیا، اور ملک کے ملک، جو اپنی صدہا سال کی تہذیبیں، فلسفے اور حکومتیں رکھتے تھے، ان کے حلقہ بگوش اور ان کے داعی و مبلغ بن گئے۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے اس ملک میں اس فرض کی ادائیگی میں اور اپنی اس ذمہ داری کے احساس و شعور میں بڑی کوتاہی کی اس کا نتیجہ ہے کہ یہاں کی اکثریت اسلام کی ان روزمرہ کی خصوصیات، نشانیوں اور اذان و نماز (جو شہروں، دیہاتوں اور محلوں میں پنج وقتہ ہوتی ہے) کے بارے میں بعض اوقات ایسے سوالات کرتی ہے کہ بجائے ان پر ہنسی آنے کے اپنی کوتاہی پر رونا آنا چاہئے، وہ ان کے مفہوم و مطلب سے اتنے ناواقف ہیں جن کا قیاس میں آنا مشکل ہے۔

ان کے سلسلے میں ایسے تجربے کثرت سے سفر کرنے والوں اور غیرمسلموں سے میل جول رکھنے والوں کو دن رات پیش آتے ہیں۔

اس مقصد کے لئے اردو، انگریزی اور ہندی میں اسلام کے تعارف میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان سے کام لیا جاسکتا ہے۔

۴:..... اس سب کے ساتھ اس ملک میں جس میں صدہا سال سے مسلمان رہتے چلے آئے ہیں اور بظاہر ان کو اسی ملک میں رہنا ہے، بتائے باہم، انسانی اور شہری بنیادوں پر اتحاد و تعاون اور انسانی جان اور عزت و آبرو کے تحفظ اور انسان کے احترام اور اس سے محبت کی تبلیغ اور تلقین ضروری ہے، جو اس ملک کی فضا کو مستقل طور پر معتدل و پرسکون بلکہ راحت و باعزت رکھنے کی ضامن ہے، اور جس کے بغیر اس ملک کی ترقی اور نیک نامی تو الگ رہی، امن و امان اور سکون و اطمینان کے ساتھ باقی رہنا بھی مشکل ہے۔

۵:..... ایک اہم بات یہ ہے کہ مسلمانوں

میں (خاص طور پر جہاں وہ اقلیت میں ہیں اور وہاں خطرات اور آزمائشوں کا امکان ہے) صلح پسندی، صبر وتحمل، بلکہ ایثار وفیاضی کے ساتھ عزم و ہمت، صبر وثبات، شجاعت ودلیری کی صفت، راہ خدا میں مصائب برداشت کرنے اور اس پر اللہ کے اجر وثواب کی طمع اور جنت اور لقائے رب کا شوق اور شہادت فی سبیل اللہ کے فضائل کا استحضار بھی موجود وزندہ رہنا چاہئے، اس کے لئے ان صحابہ کرامؓ کے حالات اور داعیانِ اسلام کے کارناموں کا مطالعہ اور ان کا سننا وسنانا جاری رکھنا چاہئے، جنہوں نے راہ خدا میں بڑی بڑی تکالیف اٹھائیں، قربانیاں دیں اور ان کو افضل اعمال اور قرب خداوندی وحصول جنت کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھا۔

کچھ عرصہ پہلے پڑھے لکھے اور دیندار گھرانوں میں واقدیؒ کی ''فتوح الشام'' کا منظوم اردو ترجمہ ''صمصام الاسلام'' گھروں میں مجلسوں میں پڑھا جاتا تھا اور اس کا بڑا اثر پڑتا تھا، اب بھی حکایات صحابہ (از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ)، شاہنامہ اسلام (حفیظ جالندھری) اور راقم سطور کی کتاب ''جب ایمان کی بہار آئی'' سے کام لیا جاسکتا ہے، ان کو مسجدوں، مجلسوں اور گھروں میں پڑھنے کا رواج ڈالنا چاہئے۔

۶:..... بڑی ضروری اور آخری بات یہ ہے کہ اس وقت ہر گھر کے ذمہ داروں، بچوں کے والدین اور موجودہ نسل کے لوگوں کو اپنے بچوں اور اپنی آئندہ نسل کو دین کی ضروریات، اسلامی عقائد و دینی فرائض اور اسلامی اخلاق سے واقف کرانے اور بنیادی تعلیم دینے کی ذمہ داری خود قبول کرنا ہے اور ان پر لازم ہے کہ اس کو اپنا ایسا ہی انسانی و اسلامی فرض سمجھیں، جیسا کہ بچوں کی خوراک وغذا، لباس و پوشاک، صحت وبیماری کے علاج کی ذمہ داری کو سمجھتے ہیں اور اس کا انتظام کرتے ہیں، بلکہ حقیقت میں دین کی ضرورت، عقائد کی تعلیم اور صحیح اسلامی عقیدے کی حفاظت اور تقویت کا کام ان جسمانی وطبعی ضروریات کی تکمیل اور ان کے انتظام سے بھی زیادہ ضروری ہے اور اس سے غفلت ان انسانی وجسمانی ضروریات کی تکمیل سے غفلت اور اس کے بارے میں سہل نگاری سے کام لینے سے زیادہ خطرناک اور برے نتائج کا سبب ہے، اس لئے کہ دینی تعلیم وتربیت اور صحیح اسلامی عقائد کا معاملہ ایک لافانی وابدی زندگی (حیات بعد الموت) کے انجام اور اچھے برے نتائج سے تعلق رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ صاف صاف ارشاد فرماتا ہے:

''اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے۔'' (سورۂ تحریم:۶)

اور صحیح حدیث میں آتا ہے کہ: تم میں سے ہر ایک حاکم اور زیردست اور زیر فرمان لوگوں کے ذمہ دار کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر ایک سے اس کی اس رعیت (زیر اثر لوگوں) کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

اس لئے گھر، محلہ، مسجد، مکتب اور مدرسہ میں بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام ہونا چاہئے اور ہر عاقل وبالغ مسلمان اور عیال دار آدمی کو یہ ذمہ داری قبول کرنی چاہئے۔

☆☆......☆☆

بقیہ: تقویٰ اور اہل تقویٰ

کسی دن میٹھی چیز پکالینا، چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا اور چند روز بعد کوئی میٹھی چیز پکا کر سامنے رکھ دی، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دریافت فرمایا کہ روزانہ تم کتنا بچاتی رہی ہو؟ اس پر بیوی نے کوئی خاص مقدار بیان کی، تو انہوں نے بیت المال کو لکھ بھیجا کہ میرے وظیفہ سے اتنی مقدار کم کردی جائے، کیونکہ بغیر میٹھا کھائے بھی زندگی بسر ہوسکتی ہے۔ (کنز العمال ج۴ص:۳۱۲)

۲:..... حضرت عمرؓ اپنے زمانہ خلافت میں ایک بار رات کو بیت المال میں بیٹھے ہوئے تھے، کسی ضرورت سے حضرت علیؓ بھی وہاں تشریف لے آئے اور عرض کیا کہ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے، حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ اپنے کسی نجی اور ذاتی معاملے میں گفتگو کرنی ہے یا خلافت کے کسی معاملہ میں کچھ کہنا ہے؟ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ مجھے اپنے ایک ذاتی معاملہ میں بات کرنی ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: تو چلو کسی اور جگہ چل کر بات کریں، کیونکہ بیت المال کی روشنی میں بیٹھ کر ذاتی گفتگو کرنا درست نہیں ہے۔ (کنز العمال ج۶ص:۳۵۷)

۳:..... ایک مرتبہ زمانہ خلافت میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں بحرین سے کچھ مشک آگیا، آپؓ نے فرمایا کہ کوئی عورت اسے تول دیتی تو میں اسے تقسیم کردیتا، آپ کی اہلیہ حضرت عاتکہؓ نے عرض کیا کہ میں تول دوں گی؟ آپؓ نے فرمایا کہ تم سے نہیں تلواتا، کیونکہ مشک تولتے وقت ظاہر ہے کہ تمہارے ہاتھ میں لگے گا، لہٰذا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے حصہ میں دوسرے مسلمانوں سے زیادہ مشک آجائے گا۔ رضی اللہ عنہ ورضوا عنہ۔ (کنز العمال ۶/۳۵۸)

☆☆......☆☆

آخری قسط

ختم نبوت کا مفہوم

مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

دوسری جانب اس خاکدانِ عالم کا یہ حال ہے کہ اس کی ہر ایک شے نشوو ارتقاء کے قانون قدرت میں جکڑی ہوئی نظر آتی ہے' جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر مادی اور روحانی قوانین و نوامیس کی خالق ایک ہی ذات ہے' تو بلاشبہ دونوں کے نوامیس و قوانین میں ہم آہنگی اور وحدت کارفرما نظر آنی چاہئے' ورنہ العیاذ باللہ! وحدت و اکائی کی جگہ دوئی کو محور و مرکز ماننا پڑے گا' جو فطرتاً ناممکن اور عقلاً محال ہے۔

تب از بس ضروری ہے کہ رشد و ہدایت کے اس منصب ''نبوت و رسالت'' کا سلسلہ بھی قانون ارتقاء سے اسی طرح جکڑا ہوا ہونا چاہئے' جس طرح مادیات کا' اور اس لئے تسلیم کرنا ہوگا کہ رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ ارتقائی بنیادوں پر اس طرح ترقی پذیر ہو کہ کائنات انسانی اپنی بقاء و وجود تک کسی وقت بھی اس راہ میں نشوو ارتقاء سے محروم نہ رہے۔

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد اب رشد و ہدایت کے اس نظام کو' جو منصب نبوت و رسالت کے نام سے معنون ہے' یوں سمجھنا چاہئے کہ قانون قدرت نے ایک جانب انسان کی مادی نشوو ارتقاء کا یہ سامان مہیا کیا کہ اس کی عقل و دانش اور اس کے شعور و دماغ کو آہستہ آہستہ ترقی پذیر کرنا شروع کیا اور دوسری جانب اسی معیار پر انسان کو روحانی و اخلاقی تربیت کا ساز و سامان بھی انبیاءؑ و رسل (علیہم السلام) کے ذریعہ آہستہ آہستہ ترقی پذیر شکل میں عطا فرمایا اور آخر ایک وقت وہ بھی آیا کہ انسان عقل و شعور کی ابتدائی اور متوسط منازل سے گزر کر بلوغ و کمال کی اس حد پر پہنچ گئے جس کو ان کے لئے حد کمال کہا جا سکتا ہے اور جس معراج کمال پر پہنچ کر انسان ''انسان کامل'' کہلانے کا بجا طور پر مستحق ہو جاتا ہے' تاہم حد بلوغ کی اس معراج ارتقاء پر پہنچ جانے پر بھی اس کی جلا اور صیقل کے لئے رہتی دنیا تک نت نئے سامان ہوتے رہیں گے اور خالق کائنات کی ربوبیت کاملہ ان کے کمال کو نقص سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی تربیت حق کا ہاتھ ان سے نہ اٹھائے گی۔

ٹھیک اسی طرح نبوت و رسالت کی شمع رشد و ہدایت کا بھی یہی حال رہا ہے کہ وہ ہزاروں سال تک اپنے ابتدائی اور متوسط منازل ارتقاء سے گزرتی رہی اور آخر کار وہ وقت بھی آپہنچا کہ اس کی ترقی اور نشوو ارتقاء نے ''کمال و تمام'' کی شکل اختیار کر لی اور اس حد کمال پر پہنچ گئی جہاں اس کے ذریعہ کائنات ہست و بود کے سامنے ایسا قانون مکمل اور دستور کامل آ گیا جو ہر طرح عقل و شعور انسانی کے حد بلوغ کے مناسب حال ہے اور جس کی راہنمائی اور روشنی ''عروج کمال'' کی ضامن و کفیل ہے' ساتھ ہی اس میں یہ لچک بھی موجود ہے کہ گویا یہ قانون رشد و ہدایت اپنے بنیادی اصول کے لحاظ سے اٹل اور غیر متبدل ہے مگر عقل و شعور کے کمال و بلوغ کے تحفظ کے لئے جس طرح اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کاملہ نے راہیں مسدود نہیں کیں' بلکہ رہتی دنیا تک اس کی تربیت کے سامان مہیا کئے ہیں' اسی طرح اس منصب نبوت و رسالت کی تکمیل اور نقطۂ ارتقاء کے حد کمال پر پہنچ جانے کے بعد اس کی عطا کردہ رشد و ہدایت کے تحفظ کی راہیں بھی بند نہیں کیں اور تا قیام قیامت اس کے جلا و صیقل کے لئے ''علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل'' کا سلسلہ قائم و دائم رکھا۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''خاتم النبیین'' کی تفسیر کو ایک روشن مثال کے ذریعہ سمجھایا اور ''ختم نبوت'' کی حقیقی روح کو مادی شکل میں پیش کر کے حرف آخر قرار دیا:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ: ”میری اور مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اس کو بہت عمدہ آراستہ پیراستہ کیا مگر اس کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ تعمیر میں چھوڑ دی، تو اب لوگ اس کو دیکھنے جوق در جوق آتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں مگر ساتھ ہی کہتے جاتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ بھردی گئی تاکہ تعمیر کی تکمیل ہوجاتی، چنانچہ میں نے اسی جگہ کو پُر کیا ہے اور میں وہی نبوت کی آخری اینٹ ہوں جس سے قصر مکمل ہوگیا، اور میں ہی آخرالانبیاء ہوں۔“

حاصل کلام یہ ہے کہ رب العالمین کی ربوبیت کاملہ نے کائنات ہست و بود میں قانون ارتقاء کو جس طرح نافذ فرمایا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ عقل وشعور انسانی کے حد بلوغ پر پہنچ جانے کے باوجود اس کی ترقی کا سلسلہ تا ابد جاری رہے اور اس میں ایسی پابندی یا روک نہ ہونی چاہئے جس سے اس کی صلاحیتوں کے نشوو ارتقاء کا سد باب ہوجائے، اور دوسری جانب پیغام حق کا جو سلسلۂ نبوت و رسالت (بذریعہ وحی الٰہی) عالم کی رشد و ہدایت کے لئے عطا ہوا ہے، وہ بھی حد کمال و تمام پر پہنچ جانے کے باوجود فطرت کے قانون ارتقاء کے مطابق نہ کمال سے نقص کی جانب رجوع کرے کہ حقیقت ظل اور بروز کے پردہ میں مستور ہوکر رہ جائے اور نہ ربوبیت حق کے اس عطا و نوال اور بخشش کا ہی سد باب ہوجائے، جو ”رشد و ہدایت“ کے عنوان سے معنون اور عالم انسانی کی حقیقی رہنما ہے، اس لئے طریقہ یہ رکھا گیا کہ جب انسان اپنے عقل وشعور میں حد بلوغ تک پہنچ گیا یا اس کے سامان پوری طرح مہیا ہوگئے، تب نبوت و رسالت کو بھی بہ حد کمال و تمام پہنچا کر ختم کردیا گیا اور اعلان کردیا گیا:

”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت (نبوت و رسالت) کو پورا کردیا۔“

مگر رشد و ہدایت کو رہتی دنیا تک اس طرح باقی رکھا کہ آخری پیغمبر کے ذریعہ جو آخری پیغام کامل و مکمل بن کر آیا، وہ اساس و بنیاد قرار پائے اور نت نئی مادہ ترقیات کے ساتھ ساتھ اس کا فیضان علم بھی درخشاں و تاباں رہے، اور یہ خدمت علماء حق کے سپرد ہو، یہی وہ حقیقت ہے جس کو کلام معجز نظام نے اس انداز میں بیان کیا ہے:

”اگر تم کسی معاملہ میں اختلاف کرو تو اس اختلاف کو اللہ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب رجوع کرو۔“

ظاہر ہے کہ اگر نبوت و رسالت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچ کر کامل نہ ہوتی اور اس کا سلسلہ کامل نبوت ہی کی شکل میں آگے بڑھتا رہتا تو یہ نہ کہا جاتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب یعنی ان کے ارشادات حق کی جانب رجوع کرو بلکہ خطاب یہ ہوتا کہ تم اللہ کی جانب اور جو نبی تم میں موجود ہو اس کی جانب رجوع کرو، اس لئے نبوت و رسالت کو ظل و بروز کی اصطلاحوں کی آڑ میں باقی رکھنے کی کوشش کرنا قانون فطرت اور دین حق کے صریح خلاف اور باطل ہے، چنانچہ اس حقیقت کو نمایاں کرنے کے لئے قرآن حکیم نے کئی جگہ مختلف معجزانہ خطابت کو اختیار کیا ہے، ایک جگہ ارشاد ہے:

”اور میری جانب اس قرآن کی وحی کی گئی تاکہ اس کے ذریعہ میں تم کو (بری باتوں سے) ڈراؤں اور ان تمام لوگوں کو بھی جن کو رہتی دنیا تک یہ قرآن پہنچے۔“ (سورۂ انعام)

اور دوسری جگہ ہے:

”اور نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر۔“

(سورۂ انبیاء)

اور ایک جگہ ہے:

”اللہ وہ ہے جس نے بھیجا اپنے رسول (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہدایت اور دین حق دے کر تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کرے اور اللہ اس کے لئے بطور گواہ کافی ہے۔“

(سورۂ فتح)

اور ایک جگہ ارشاد ہے:

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور ان کی اطاعت کرو جو تم میں سے اولی الامر ہیں۔“

(سورۂ نساء)

اس آیت میں صاف طور پر یہ کہہ دیا گیا ہے کہ اب انسانی رُشد و ہدایت کے لئے صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اب کسی نبی و رسول کی اطاعت کا سوال نہیں ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا آخری طریقہ یہ ہے کہ تم میں سے جو صاحب امر ہوں (علماء، مجتہدین، خلفاء حق) ان کی پیروی کرو۔

ان آیات بینات کے علاوہ قرآن حکیم نے جن آیات میں خدا کی کتابوں یا رسولوں پر ایمان لانے کی ہدایت کی ہے' وہاں یہ کہہ کر کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور قرآن اور اس سے قبل کی کتابوں پر ایمان لاؤ' اس حقیقت کو نمایاں کیا اور ابھارا ہے کہ جہاں تک پیغمبر اور کتاب اللہ پر ایمان لانے کا تعلق ذات اقدس' قرآن حکیم اور اس سے قبل کے نبیوں' رسولوں اور کتابوں کا ہے اور یہ صرف اس لئے کہ یہ سلسلہ آگے بشکل نبوت ورسالت اور وحی الٰہی نہیں چلے گا بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہی بہ حد کمال پہنچ کر قیامت تک بلا فصل باقی اور جاری رہے گی اور قرآن حکیم کامل ومکمل دستور ہدایت بن کر ہمیشہ اس کے لئے زندہ شہادت دے گا۔

حق تعالیٰ کی جانب سے ''خاتم النبیین'' کا جو منصب جلیل ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا ہے' عقل ونقل دونوں اعتبار سے ایک اور صرف ایک ہی معنی رکھتا ہے اور وہ یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء ورسل ہیں اور نبوت ورسالت کا سلسلہ آپ پر پہنچ کر ختم ہوگیا۔

تاج العروس کے علاوہ تمام معتبر اور مشہور عربی لغات ناطق ہیں کہ ''خاتم'' بفتح ''تا'' ہو یا بہ کسرہ ''تا'' ''آخرشی'' اس کے حقیقی معنی ہیں اور جب کسی شخصیت کے لئے بولا جائے تو ''آخر القوم'' مراد ہوتے ہیں۔ اس لئے آخر الانبیاء والرسل ہونا ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ خصوصیت ہے جس میں دوسرا کوئی شریک وسہیم نہیں۔

یہ درست ہے کہ خاتم بمعنی ''مہر'' بھی حقیقی معنی ہیں اور یہی نہیں' ان دونوں کے ماسوا اس لفظ کے چند اور معانی بھی حقیقی ہیں' لیکن اطلاقات ہی اس کو ظاہر کر سکتے ہیں کہ ان ہر دو حقیقی معنی میں سے کون سے معنی برمحل ہیں' مثلاً جب آپ ہاتھ میں انگشتری پہنے ہوئے ہوں اور اس پر آپ کا نام کندہ ہو' اس وقت اگر کہا جائے کہ ''خاتمک فی انملک'' تو اس وقت خاتم بمعنی ''مہر'' حقیقی معنی ہوں گے' لیکن اس لفظ خاتم کو اگر کسی انسان پر اطلاق کریں تو اس وقت خاتم بمعنی ''آخر'' حقیقی معنی ہوں گے اور خاتم القوم یا خاتم الانبیاء تب ہی صحیح ہوگا کہ آنے والا شخص قوم کا آخری فرد یا نبیوں کا آخری نبی ہو' اور اس حقیقی اطلاق کی موجودگی میں مجازی معنی تب ہی قابل اعتبار ہوں گے کہ یا حقیقی معنی اس مقام پر ناممکن الاستعمال ہوں اور یا مجازی معنی حقیقی معنی سے مغائر ومتضاد نہ ہوں بلکہ اس کے ساتھ پوری مطابقت رکھتے ہوں۔

تب یہ بات واضح اور صاف ہے کہ اگر کوئی شخص بلاغت قرآن اور اعجاز نظم قرآنی کے خلاف بلکہ عربیت کے عام اصول کے خلاف آیت کریمہ ''خاتم النبیین'' میں خاتم کے حقیقی معنی ترک کرکے بلحاظ اطلاق مجازی معنی ''مہر'' کے لیتا ہے' تب بھی مجازی معنی اور مفہوم وہی صحیح اور لائق توجہ ہو سکتے ہیں جو حقیقی معنی ''آخر'' سے متبائن اور متخالف نہ ہوں اور ''نبیوں کی مہر'' کا یہ مطلب ہوگا کہ جس طرح کسی تحریر یا کسی شے کے ختم پر ''مہر'' اس لئے لگائی جاتی ہے کہ اس پر تحریر یا شے کا اختتام ہوگیا اور اب کسی بھی اضافے کی گنجائش باقی نہیں رہی' اسی طرح ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء ومرسلین کے سلسلہ کے لئے ''مہر'' ہیں کہ آپ کے بعد اب فہرست انبیاء ورسل میں کسی اضافہ کی گنجائش نہیں رہی اور اس سلسلہ پر مہر لگ گئی' اور جس طرح کاغذ یا لفافہ پر مہر ثبوت ہے اس امر کا کہ اب اس کے بعد کسی مضمون یا لفافہ وجملہ کی توقع عبث ہے' اسی طرح نبیوں کی مہر اس کے لئے کھلی دلیل ہے کہ اب کسی اضافہ کی توقع محال ہے۔

پس ''مہر'' بہ اطلاق مجاز کے اس مفہوم کو چھوڑ کر اگر کسی خاص مزعومہ کی بنا پر یہ معنی مراد ہوں کہ ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے لئے مہر ہیں کہ جس طرح کوئی کاغذ یا تحریر جب ہی مستند ہوتی ہے کہ اس پر ذمہ دار شخصیت کی مہر ثبت ہو' اس طرح کوئی نبی ''نبی یا رسول'' نہیں بن سکتا جب تک آپ اس کے لئے مہر تصدیق نہ بن جائیں' تو یہ مراد دو وجہ سے باطل ہے' اول اس لئے کہ یہ مفہوم حقیقی معنی ''آخر'' کے متضاد ومتبائن ہے۔

دوم اس لئے کہ ہزاروں یا لاکھوں انبیاء علیہم السلام جو ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت سے قبل اس کائنات ارضی پر مبعوث ہو چکے' اپنی اپنی امت کے زمانہ میں ان کی نبوت غیر مستند اور ناقابل قبول رہی' اس لئے کہ ان کی نبوت تصدیق کنندہ ''مہر'' ان کی بعثت سے ہزاروں یا سینکڑوں برس کے بعد آئی جبکہ وہ اپنے اپنے فرض منصبی سے سبکدوش ہو چکے' تو اب بے سود وبے فائدہ' اور اگر یہ مراد ہے کہ آپ کے بعد جو نبی آئیں گے' ان کے لئے آپ ''مہر'' ہیں' تو یہ ترجیح بلا مرجح کیوں؟ کہ ہزاروں لاکھوں انبیاء و رسل کے لئے تو مہر نہ بنے اور بعد میں آنے والوں کے لئے ''مہر'' قرار پائے' اور اگر یہ مطلب ہے کہ اگلوں اور پچھلوں سب ہی انبیاء و رسل کے لئے مہر تصدیق ہیں' تب بھی اگلوں کے لئے مہر ہونا بے کار رہا کہ ان کا وقت نبوت گزر جانے کے بعد مہر تصدیق پہنچی۔

علاوہ ازیں یہ احتمالات خود ساختہ اور ظنی ہیں' اور کسی ایک احتمال کے یقینی ہونے کی بھی قرآن میں صراحت موجود نہیں ہے' تو پھر حقیقی اطلاق کے ترک اور حقیقی سے مطابق مجازی مفہوم سے روگردانی کے بعد ایسے احتمالات جو حقیقی مفہوم کا حق نہ ادا کرتے ہوں' باطل نہیں تو اور کیا ہیں؟

پھر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ قرآن کا حکیمانہ طریق استدلال یہ ہے کہ وہ ایک مقام پر جو بات کہنا چاہتا ہے' اس کو متعدد جگہ مختلف اسالیب بیان کے ساتھ اس طرح ادا کرتا ہے کہ ایک آیت دوسری آیت کی خود ہی تفسیر بن جاتی ہے اور حقیقت حال روشن ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔ اس حقیقت کو مفسرین نے اس طرح ادا کیا ہے کہ ''القرآن یفسر بعضہ بعضا'' یعنی قرآن کا بعض حصہ دوسرے بعض حصہ کی خود تفسیر کر دیتا ہے' چنانچہ یہی صورت حال یہاں بھی موجود ہے' وہ یہ کہ قرآن حکیم' اسلام کی خوبی بیان کرتے ہوئے اعلان کرتا ہے:

''آج میں نے تمہارے لئے
تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت
تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین
کی حیثیت میں پسند کر لیا۔''

آیت کریمہ کو ایک مرتبہ خوب غور سے پھر پڑھئے اور پھر دیکھئے کہ اس جگہ نہ ''خاتَم'' ہے اور نہ ''خاتِم'' کہ اس کو معرض بحث میں لا کر خود ساختہ احتمالات پیدا کر لئے جائیں' بلکہ یہاں صاف صاف کہا گیا ہے کہ جو دین اسلام وجود انسانی کے ساتھ ساتھ رشد و ہدایت کا مرکز بنا ہوا ہے' اس کو آج ''کامل'' اور اس نعمت دین کو تمام کر دیا گیا' اور ظاہر ہے کہ ''کامل'' کا مقابل ''ناقص'' اور ''تمام'' کا متوازی ''ناتمام' ادھورا'' ہوتا ہے' یعنی ایک چیز آہستہ آہستہ ترقی پذیر تھی اور رفتہ رفتہ اس حد پر پہنچ گئی' جس کے بعد اب ترقی کا خاتمہ ہے' اس لئے کہ وہ کامل و مکمل ہو کر سامنے آ گئی' جس کے بعد ناقص یا ناتمام کے دہرانے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔

سو اگر یہ صحیح ہے کہ اسلام دور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچ کر ہی کامل اور تمام ہوا ہے تو بلاشبہ آیت کریمہ ''ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین'' کے یہی معنی صحیح ہو سکتے ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی دین کے پیغامبر ہیں جو کائنات انسان کی ابتداء سے ہی رشد و ہدایت انسانی کا فرض انجام دے رہا ہے اور خدا کا پسندیدہ ہے ''ولکن رسول اللہ'' اور انسانیت کی مادی ترقی کے ساتھ ساتھ وہ بھی روحانی مدارج ارتقاء طے کرتے ہوئے آج ''کامل'' اور ''تمام'' ہو گیا' اور اب نئے پیغامبر کی بھی ضرورت خود بخود باقی نہیں رہی اور رہتی دنیا تک یہی کامل پیغام اور پیغامبر انسانی دنیا کے لئے کافی اور بس ہے ''و خاتم النبیین''۔

لہٰذا حقیقی اطلاق لیجئے یا مجازی ''خاتم'' کے معنی اور مفہوم میں ''آخر'' ہونے کا تصور غیر منفک اور لازم ہے اور اس کے خلاف جو کچھ بھی ہے' وہ باطل ہے۔

آیت کریمہ کا شان نزول اگرچہ ایک خاص واقعہ سے تعلق رکھتا ہے' لیکن اپنے مفہوم و معنی کے لحاظ سے ہمہ گیر اور غیر موقت ہے اور عربیت اور نقل و روایات دونوں لحاظ سے ایک ٹھوس حقیقت کا اظہار کرتی ہے۔

اس آیت کے تین حصے ہیں' ایک میں کہا گیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہے' اس لئے کہ آپ کی اولاد ذکور حیات مستعار کو پورا کر چکی اور آپ صلبی بیٹا نہیں رکھتے اور اسلام میں لے پالک ''متبنیٰ'' بے معنی رسم ہے اور اس سے دوسرے کا بیٹا گود لینے والے کا بیٹا نہیں بن جاتا اور اس کے احکام حاصل نہیں کر لیتا' تو ایسی شکل میں زید (رضی اللہ عنہ) کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا کہنا ہر طرح غلط ہے: ''ما کان محمد ابا احد من رجالکم'' مگر اس سے یہ احساس پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ جب آپ مردوں میں سے کسی کے صلبی باپ نہیں ہیں تو امت کے ساتھ کس طرح آپ کو شفقت پدری ہو سکتی ہے؟ حالانکہ امم سابقہ و سالفہ میں انبیاء و رسل (علیہم السلام) اپنی اپنی امتوں کے بیشتر صلبی باپ بھی رہے ہیں اور روحانی باپ بھی' یہ احساس اس لئے نہیں ہونا چاہئے کہ اگرچہ آپ امت مرحومہ کے صلبی باپ نہیں ہیں تو نہ ہوں' مگر روحانی باپ تو ہیں' جیسا کہ ہمیشہ انبیاء و رسل (علیہم السلام) اپنی اپنی امتوں کے روحانی باپ ہوتے ہیں' بلکہ روحانی باپ کا رشتہ و رابطہ تو صلبی باپ سے بھی ہزار ہا درجہ بڑھ چڑھ کر ہے کیونکہ وہ مادی و روحانی دونوں تربیتوں کا کفیل و مربی ہے' اس لئے دوسرے نبیوں اور رسولوں کی طرح آپ بھی خدا کے رسول ہیں' ''ولکن رسول اللہ'' یہ آیت کا دوسرا حصہ ہے۔

پھر بات اسی حد پر پہنچ کر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ امت مرحومہ کے لئے اس سے بھی بلند و بالا بشارت یہ ہے کہ آپ سے قبل جس قدر بھی روحانی باپ (انبیاء و رسل علیہم السلام) گزرے ہیں' علیٰ قدر مراتب ان میں امت کے لئے شفقت و رحمت کا

جذبہ محدود رہا ہے' کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے گزر جانے کے بعد دوسرا روحانی باپ (نبی یا رسول) مبعوث ہوکر امت پر میری ہی طرح یا مجھ سے زیادہ شفقت وتربیت کا حق ادا کرنے والا ہے لیکن ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان رفیع ہے کہ آپ صرف اللہ کے رسول ہی نہیں ہیں بلکہ آخر الانبیاء والرسل ہیں' جن کے بعد کسی نبی اور رسول کی بعثت کی ضرورت نہیں رہی' اس لئے کہ دین کامل ہوگیا اور خدا کی نعمت پوری ہوگئی' ایسی صورت میں تم اندازہ کرسکتے ہو کہ اس کی شفقت و رحمت کا کیا ٹھکانا ہوگا' جو مربی یہ سمجھتا ہو کہ اب اگلوں کی طرح اس کے بعد دوسرا کوئی مربی آنے والا نہیں ہے کہ امت پر اپنی رحمت نچھاور کرے' اب تو رہتی دنیا تک اس کی آغوش تربیت وا رہے گی اور اسی کی نبوت ورسالت کا غیر منقطع سلسلہ جاری رہے گی۔''وخاتم النبین۔''

خلاصہ یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک اس خصوصی امتیاز کی حامل ہے کہ اس کی بعثت کے بعد کسی نبی یا رسول کی بعثت کی حاجت باقی نہیں رہی اور اس طرح یہ حقیقت بھی روشن ہوگئی کہ ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کے باعث نہیں ہیں کہ انہوں نے نبوت ورسالت کا سلسلہ ختم کردیا بلکہ جب خدا تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اب یہ سلسلۂ نبوت ورسالت اس ارتقائی منزل پر پہنچ گیا ہے کہ آخری پیغام بن کر کامل وتمام ہوجائے تو ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے اس کے لئے چن لیا اور بلا شرکت غیرے ان کو یہ منصب عظمیٰ عطا فرمایا:

''ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء و اللّٰہ ذو الفضل العظیم۔''

پھر کسی نادان کا یہ کہنا کہ اگر آپ آخر الانبیاء والرسل ہیں تو یہ آپ کی منقبت نہیں بلکہ نقص ہے کہ آپ اس رحمت کے لئے سد باب ثابت ہوئے جو نبوت ورسالت کے عنوان سے جاری تھی' اس نادان کا یہ خیال اسی طرح فاسد ہے' جس طرح اس شخص کا خیال' جس نے ایک محفل میں شرکت کی اور دیکھا کہ جو معزز مہمان بھی آتا ہے اس کا پرجوش استقبال ہوتا ہے اور اس سے محفل کی رونق میں اضافہ ہوتا جاتا ہے مگر جب اس نے یہ دیکھا کہ ایک شخص ایسا بھی آپہنچا جس کو سب نے حاصل محفل سمجھ کر نہ صرف پرجوش استقبال ہی کیا بلکہ تمام محفل کا سرتاج کہا اور اس کے بعد محفل اپنا کام کرکے ختم ہوگئی' تو یہ نادان بہت کڑھا اور پچھتانے لگا کہ کاش یہ حاصل محفل نہ بنتا اور محفل اسی طرح سجی سجائی رہتی اور مہمانوں کی آمد کا یہ سلسلہ یونہی جاری رہتا۔ ٹھیک اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر الانبیاء ورسل ہونے پر یہ نادان اپنے فساد خیال کا اظہار کررہا ہے اور باطل تاویلات کے درپے ہورہا ہے۔''یضل بہ من یشاء ویھدی بہ من یشاء''۔

قرآن عزیز نے اکثر مقامات پر ''نبی'' اور ''رسول'' کے ایک ہی معنی لئے ہیں جس کو اردو میں پیغمبر سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن خاص خاص مقامات پر وہ نبی اور رسول میں فرق بھی کرتا ہے۔ اس فرق کو علماء اسلام نے یوں ظاہر کیا ہے کہ ''نبی'' عام ہے اور ''رسول'' خاص' یعنی خدائے تعالیٰ جس شخصیت کو ہم کلامی کا شرف عطا فرماتے ہیں وہ ''نبی'' کہلاتا ہے کیونکہ لغت میں ''نبی'' خبر دینے والے کو کہتے ہیں' گویا جو شخص خدا سے براہ راست لے کر بندگان خدا کو اس کے احکام کی خبر دے وہ نبی ہے' قطع نظر اس امر کے کہ اس کو جدید کتاب یا جدید شریعت عطا کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو لیکن جب خدا نے ہم کلامی کے منصب کے ساتھ ساتھ اس شخصیت کو ''کتاب جدید'' یا ''شریعت جدیدہ'' بھی عطا کی ہو تو اس کو ''رسول'' کہتے ہیں۔ چنانچہ اس مقام پر قرآن حکیم نے اس فرق وامتیاز کو معجزانہ اسلوب کے ساتھ ظاہر کیا ہے' وہ کہتا ہے کہ جہاں تک گزشتہ انبیاء ورسل کی فہرست کا تعلق ہے' اس فہرست میں آپ کا منصب صرف ''نبی'' ہی نہیں بلکہ ''رسول'' ہے اور خود قرآن اس کے لئے شہادت جاوید ہے اور چونکہ وہ پیغام الٰہی کے سلسلہ میں آخری پیغامبر ہیں' تو اس جگہ یہ یقین کرلینا چاہئے کہ وہ صرف مصطلحہ رسولوں کے ہی آخر نہیں ہیں بلکہ سرتا سر سلسلۂ نبوت کے لئے ''آخر'' ہیں تاکہ ظاہر ہوجائے کہ جب وہ خاتم الانبیاء ہیں تو خاتم الرسل بدرجہ اولیٰ واتم ہیں کیونکہ جب عام ہی کا وجود مفقود ہے تو خاص کا وجود کس طرح کتم عدم سے ظاہر ہوسکتا ہے۔ ''وخاتم النبین'' اور اسی نمایاں حقیقت کو خود ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل صحیح حدیث میں برہان قاطع کے طور پر ظاہر کیا ہے ''لا نبی بعدی'' میرے بعد اب کسی نبی کی بعثت نہیں ہے ''ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی'' بلاشبہ رسالت اور نبوت دونوں ختم ہوگئے' پس میرے بعد نہ رسول ہے اور نہ نبی ''ختم بی الانبیا علیھم الصلوۃ والسلام'' مجھ پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سلسلہ کا خاتمہ ہوگیا ''انا العاقب الذی لیس بعدہ نبی'' میرا نام عاقب ہے جس کے بعد نبی کی بعثت نہیں ہے ''وختم بی النبیون'' اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ (مسند احمد' ترمذی' مسلم و بخاری وغیرہا)

☆☆..........☆☆

مصائب ومشکلات اور اہل حق

مولانا سید محمد رابع حسنی

اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ پر عالمی برادری کو ان راہوں سے ہٹانے اور بچانے کی عظیم ذمہ داری ڈالی ہے' جو راہیں دنیا و آخرت دونوں کے لحاظ سے بگاڑ و تباہی لاتی ہیں' یہ راہیں وہ ہیں جو انسان میں خود غرضی' نفس پرستی اور من مانی زندگی اختیار کر لینے کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں' انسان اپنی خود غرضی اور من مانی زندگی کے اثر سے اپنے پروردگار کے احکام کو نظر انداز کرتا ہے اور اس کے پیغمبروں کی تعلیمات سے دست کش ہو جاتا ہے' آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کو سلب کرتا ہے' اپنی نفسانی اغراض کی خاطر ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے اور ذاتی زندگی میں اپنے خواہش نفس کے تقاضے سے ایسے گرے ہوئے اخلاق و عادات کو اختیار کر لیتا ہے' جو امراض جسمانی کی طرز پر امراض نفسانی ہوتے ہیں' جن سے ایک طرف معاشرہ کی اخلاقی زندگی تباہ ہو جاتی ہے' تو دوسری طرف آپس میں اغراض و خواہشات کے مابین ایک دوسرے سے سخت ٹکراؤ ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں سب ہی نقصان اٹھاتے ہیں۔

برے اعمال سے یہ برا نتیجہ ہوتا ہے اور یہ برا نتیجہ پوری قوم کی تباہی کی شکل میں سامنے آتا ہے' جس کا سبب خود انسانوں کے اختیار کردہ خراب اور بگڑے ہوئے اخلاق اور عادات و کردار ہوتے ہیں۔

یہ خدا کا بنایا ہوا قانون ہے کہ برائی کا نتیجہ برا ہوتا ہے اور یہی اشارہ ہے جو قرآن کریم کی آیت "بما کسبت ایدی الناس" میں ملتا ہے' زندگی میں یہ بگاڑ عمومیت اختیار کر لیتا ہے' قرآن مجید میں فرمایا گیا:

"ظهر الفساد في البر و البحر بما كسبت ايدي الناس۔"

ترجمہ: "خشکی و تری سب میں بگاڑ ظاہر ہو گیا ہے اور یہ لوگوں کے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے ہے۔"

انسانوں کے خود اپنے ہاتھوں کے کرتوت سے ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی اس راحت و نعمت کی زمین میں بعض وقت پوری انسانیت کی تباہی کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی رحیم و کریم ہے' وہ ایسے بگاڑ اور خرابی کو درست کرنے کے لئے اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو' جو اس کے احکام کو ماننے والے اور اس کی مرضی پر چلنے والے ہوتے ہیں' کھڑا کرتا رہا ہے' چنانچہ یہ کام اس کے نبی اپنے اپنے زمانہ میں انجام دیتے رہے' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کام اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا اور ان کے بعد اپنے ان نیک بندوں سے یہ کام لیتا رہا ہے' جو اپنے نبی کی لائی ہوئی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں اور اصلاح و ارشاد کے کاموں کی ذمہ داری انجام دیتے ہیں۔

چنانچہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے علماء و صلحاء اس کام کی ذمہ داری آج سے نہیں بلکہ چودہ سو سال سے ادا کرتے آ رہے ہیں۔

اس ذمہ داری کے لئے اولاً خود اعلیٰ اخلاق کے حامل بننے کی ضرورت ہوتی ہے' پھر اس کام کو حکمت و موعظت سے انجام دینا ہوتا ہے۔

اس کام کے انجام دینے میں ان کو بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں اور منحرف اخلاق و کردار کے لوگ رکاوٹ ڈالتے ہیں اور دشمنی کا رویہ اختیار کرتے ہیں' جس کی وجہ سے داعی حق کو زحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے' تکلیفیں اٹھانا پڑتی ہیں اور دنیا کی بعض نعمتوں سے ان کو محروم بھی ہونا پڑتا ہے' لیکن اس کا اجر دنیا میں شہرت و عزت کی شکل میں اور آخرت میں اجر و جزا کی شکل میں ملتا ہے۔

اس وقت دنیا میں ہر طرف من مانی اور خدا کے حکم کے خلاف زندگی گزارنے کا ایک سلسلہ قائم ہے۔ عورتوں کی بے محابا آزادی' حرام آمدنی کے

بے تکلف حصول' جنسی انارکی' قومی اور شخصی مفاد کی خاطر دوسروں کی حق تلفی اور ظالم و طاقتور کی طرف سے کمزوروں کا استحصال ایسے بڑے پیمانے پر عمل میں آ رہا ہے کہ اس کی تفصیلات حیران کر دینے والی ہیں۔

امت مسلمہ کے افراد میں اپنی ساری کمزوریوں کے باوجود اپنی شریعت کی بنا پر یہ خرابیاں دوسروں کے مقابلہ میں کم ہیں اور ان کی صاف ستھری شریعت ترازو کی طرف اچھے اور برے اعمال کو پرکھنے میں رہنمائی کرتی ہے' یہ شریعت اپنی صداقت و جرأت کی بنا پر دنیا کی دیگر اقوام اور طبقات کی طرف سے مخالفت و دشمنی کا نشانہ بنتی ہے' اسی مخالفت و دشمنی کو مسلمانوں کو جھیلنا اور اس کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔

اس طرح دنیا کی جاہلیت نواز اقوام سب ایک طرف اور امت مسلمہ ایک طرف ہو گئی ہے اور سب کا نشانہ بن رہی ہے' اس پر اور اس کی شریعت پر مختلف انداز سے حملے ہو رہے ہیں اور اس حقیقت و عزت کو بد ارادوں کے تحت برے ناموں اور برے القاب سے مخاطب کر کے لوگوں کی نظروں سے گرانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

امت میں جو عبادت و طاعت الٰہی توجہ سے کرے تو وہ "بنیاد پرست" اور "قدامت پسند" کہلاتا ہے اور ظلم و جور کے خلاف آواز اٹھائے تو "تشدد پسند" اور "جارحیت نواز" اور کوئی ظلم و بربریت کا جواب دینا چاہے تو "دہشت گرد" کہلاتا ہے۔

پھر یہی نہیں بلکہ اس کام کو بین الاقوامی پیمانے پر انجام دیا جا رہا ہے اور اس کے لئے آلات حرب و ضرب استعمال کر کے مخالفت کے جذبے کو دبا دینے کے منصوبے بنائے جاتے ہیں۔

اس وقت دنیا کا شاید ہی کوئی مسلمان ملک ایسا ہو جو ان باتوں کا نشانہ نہ بن رہا ہو' اس کے برعکس اسرائیل' جس نے پرامن باشندوں کے کتنے گھر گرا دیئے' کتنے بے گناہوں کو ابدی نیند سلا دیا اور آلات حرب و ضرب کی تیاری میں کوئی حد باقی نہیں رکھی' وہ اس سب کے باوجود نہ "تشدد پسند" ہے' نہ "جارح" نہ "ظالم" ہے' نہ "دہشت گرد"؛

جنوں کا نام خرد پڑ گیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

لیکن اس سب کے باوجود مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ ظلم کے خلاف آواز اٹھانے اور بگاڑ و فساد پیدا کرنے والوں کی اصلاح کرنے کے اپنے فرض منصبی کو ادا کرنے کے نتیجہ میں اس کو ناپسند کرنے والوں کی مخالفت کے حالات اور کچھ نقصانات سے گزر سکتے ہیں۔

یہ ان کی چودہ سو سالہ تاریخ میں بار بار ہوا ہے' اور عہد نبویؐ میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں' لیکن ظلم و تعدی کی تمام حرکات کے باوجود اس امت کو ختم نہیں کیا جا سکا ہے اور نہ کیا جا سکتا ہے' یہ امت سب ظلم جھیلنے کے بعد بھی مزید توانا اور مضبوط ہو کر اٹھ کھڑی ہوتی رہی ہے' اور ظلم و جبر اور ہلاکت خیزی کرنے والوں کو اس زمین و آسمان کے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار ہا سزا بھی ملی ہے۔

اس لئے حالات خواہ جتنے بھی خراب ہوں' مسلمانوں کو مایوس نہ ہونا چاہئے اور حق کے بالآخر سربلند ہونے اور باطل کے سرنگوں ہونے کی توقع رکھنی چاہئے' لیکن اپنے اخلاق و کردار کو بھی ایسا درست رکھنا چاہئے' جو امت اسلامیہ کے شایان شان ہو۔

اپنی انفرادی اور قومی دونوں طرح کی زندگی کو حق و صداقت کے معیار کے مطابق بنانا اور دلوں میں ایمان و یقین کی شمع فروزاں رکھنا چاہئے اور تکلیفوں پر' جو کہ عارضی ہیں اور صرف اس دنیا تک محدود ہیں' آخرت کے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے صبر و ثبات کا ثبوت دینا چاہئے۔

باطل کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ حق کے مقابلہ میں زیادہ ٹھہر نہیں سکتا' اور حق کا مقابلہ نہیں کر سکتا' اس لئے فرمایا گیا:

"جاء الحق و زھق الباطل ان
الباطل کان زھوقا۔"

ترجمہ: "حق آیا اور باطل چھٹ گیا'
بے شک باطل چھٹ جانے والا ہے۔"

اور:

"و انتم الاعلون ان کنتم
مؤمنین۔"

ترجمہ: "اور تم ہی سربلند ہو' اگر تم
اصحاب ایمان ہو۔"

ان کو یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ اگر خود وہ ان گناہوں اور برائیوں میں مبتلا ہوتے ہیں' جن سے ان کے پروردگار نے منع کیا ہے اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کی نشاندہی کی ہے' تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بھی پکڑ ہو سکتی ہے اور ایسا ہوتا بھی رہا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے رب کے احکام کی خلاف ورزی پر سزا یا تنبیہ کے طور پر اپنے رب کی طرف سے مصیبت میں مبتلا کر دیا جاتا ہے' جو دراصل خود ان کی بدعملی کا نتیجہ ہوتی ہے لیکن یہ مصیبت توبہ و استغفار کے ذریعہ اور زندگی کو درست کر کے دور کرائی جا سکتی ہے۔

☆☆..........☆☆

اسوۂ ابراہیمؑ اور شیوۂ آزری

مولانا سعید الرحمن الاعظمی

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام دنیا میں اس وقت آئے' جب معصیت کا بازار ہر طرف گرم تھا' گھر سے لے کر باہر تک ساری دنیا بس ایک کام میں مشغول تھی اور وہ تھا بت سازی اور بت پرستی کا کاروبار' خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر بت پرست ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بڑے ماہر بت تراش اور اپنے زمانے کے ''فنکار'' بھی تھے' پورا ماحول اسی بت سازی اور بت پرستی کی لعنت میں گرفتار تھا۔ انسان کی معراج ہی یہ تھی کہ کم از کم اگر وہ بت ساز نہیں ہے تو بت پرست ضرور ہو۔ اس وبا نے تمام انسانوں کو بری طرح گھیر رکھا تھا اور ہر شخص اپنے حقیقی ماحول سے دور بہت دور ایک ایسی خاردار وادی میں بھٹک رہا تھا جہاں بجز معدہ و مادہ کے کسی اور بات کا گزر نہ تھا اور لوگ اس کے علاوہ کسی اور چیز سے آشنا بھی نہیں تھے۔

حرص و ہوس سے جکڑے ہوئے اسی ماحول میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنکھ کھولی' انہوں نے اپنی حقیقت آشنا نگاہوں سے اس گھٹتے ہوئے انسان کو دیکھا جو اپنی ساری صلاحیتوں کو پتھر اور لکڑی کے ٹکڑوں پر صرف کر رہا تھا' انہوں نے ایک بے جان اور بے حس و حرکت بت کے سامنے لوگوں کو اپنی پیشانیاں ٹکاتے ہوئے دیکھا' انہوں نے اس محدود اور مقید ذہن کو دیکھا جو ایک تنگ دائرے کے ارد گرد گھوم رہا تھا اور جس کا مطمح نظر صرف معدہ تھا اور مادہ کی ایک گھناؤنی شکل جس کا مرکز توجہ و التفات تھی۔

یہ ساری باتیں انسان کے فطری وظیفہ کے بالکل خلاف تھیں اور دوسرے الفاظ میں انسانی فطرت سے جنگ کے مترادف تھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی فطری قوت سے ان تمام مادی طاقتوں کو چیلنج کیا۔ انہوں نے بت پرستی اور بت سازی کی مخالفت کی۔ انہوں نے حرص و ہوس کی اندھی تقلید پر احتجاج کیا اور انہوں نے اس غیر حقیقی ماحول کے خلاف اعلان جنگ کیا اور اپنے باپ آزر کو اس بے راہ روی سے باز رہنے کی (تلقین و فہمائش کی اور قرآن مجید کی زبان میں ابراہیم علیہ السلام نے صاف صاف کہا:

''جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے' جو کہ مشرک تھا' کہا کہ: اے میرے باپ! تم ایسی چیز کی کیوں عبادت کرتے ہو؟ جو نہ کچھ سنے اور نہ کچھ دیکھے اور نہ تمہارے کچھ کام آسکے؟ اے میرے باپ! میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا' تو تم میرے کہنے پر چلو' تم کو سیدھا راستہ بتلاؤں گا۔ اے میرے باپ! تم شیطان کی پرستش مت کرو' بے شک شیطان' رحمٰن کی نافرمانی کرنے والا ہے' اے میرے باپ! میں اندیشہ کرتا ہوں کہ تم پر رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب نہ آپڑے پھر تم (عذاب) میں شیطان کے ساتھی ہو جاؤ۔'' (سورۂ مریم:۴۲'۴۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ صاف گوئی اور ان کا اعلان حق آزر کی بت ساز طبیعت کو چیلنج نہ کر سکا اور وہ اس غیر حقیقی ماحول کو چھوڑ کر اپنے بیٹے کی بات سننے اور ماننے پر کسی طرح تیار نہ ہوا اور اس نے صاف صاف کہہ دیا:

''باپ نے جواب دیا کہ: تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو' اے ابراہیم! اگر تم باز نہ آئے تو میں ضرور تم کو پتھروں سے سنگسار کر دوں

گا اور ہمیشہ ہمیش کے لئے مجھ سے برکنار رہو۔'' (سورۂ مریم:۴۶)

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر طرح کی دھمکی اور خطرے سے بے پروا اپنے کام میں مشغول رہے اور فطرت کے اصول کے سامنے انہوں نے کسی ایسے تصور کو ماننے یا اس کے قبول کرنے سے قطعاً انکار کر دیا جو انسان کو انسان ہی کے آگے نہیں بلکہ پتھروں اور بے حس و حرکت مجسموں کے سامنے جبین نیاز جھکانے پر آمادہ کرے' وہ اس مصنوعی اور بے جان ماحول میں ایک اجنبی تھے لیکن ان کے ایمان کی طاقت نے اپنے زمانے کی بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکر لی اور پوری آبادی کے خلاف ان کی آواز اس وقت اٹھی جبکہ ہر طرف سے خطرات ان کو گھیرے ہوئے تھے' اپنے اور پرائے ان کے دشمن ہو چکے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر خطرہ کو دعوت دی اور ہر مخالفت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوئے۔ آگ کے دہکتے ہوئے شعلوں میں اپنی جان عزیز کو فنا کر دینے میں انہوں نے ذرا بھی تامل نہیں کیا' جس کا انجام یہ ہوا کہ مخالفین پسپا ہو گئے' دشمن شکست کھا گئے اور آگ کے دہکتے ہوئے شعلے گل وگلزار بن کر رہے' یہ ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کی وہ لازوال اور غیر فانی طاقت تھی جس کے سامنے دنیا کی ہر بڑی طاقت شکست خوردہ تھی اور جس نے اپنے زمانے کے جابر اور صاحب سطوت بادشاہ کے سامنے اس شانِ بے نیازی کا مظاہرہ کیا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں مفقود ہے۔

اس آزری ماحول کو جنم دینے اور اس غیر حقیقی معاشرہ کو برپا کرنے میں جس چیز کو سب سے زیادہ دخل تھا' وہ اسباب و وسائل کے پیدا کرنے والے سے قطع نظر کر کے اسباب و وسائل پر مکمل اعتماد تھا' اسباب ہی معبود کارساز سمجھے جانے لگے تھے اور وسائل ہی پر زندگی کی ساری عمارت قائم تھی' اللہ تعالیٰ نے اس دور کے انسانوں کو متنبہ کرنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے اسباب وعلل کی بے بسی کا راز افشا کرنا چاہا اور یہ بتایا کہ وسائل کے بغیر بھی انسان کس طرح بلند سے بلند مرتبہ پر پہنچ سکتا ہے اور وہ کس طرح بڑے سے بڑے خطرے کا مقابلہ کر سکتا ہے؟

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی اور زندگی کے ہر ہر گوشے میں یہ پہلو اس قدر نمایاں ہے کہ ہر موقع پر اس کا اظہار ہوتا ہے' خواہ وہ آتش نمرود ہو یا وادیٔ غیر ذی زرع کے تپتے ہوئے ریگستان ہوں' بے یار و مددگار بیوی کی بے تابی اور شدت انتظار ہو یا شیر خوار بچے کی پیاس کی شدت' ظالم و جابر بادشاہوں کی نظر حرص ہو یا پوری قوم اور برادری کی شدت عداوت' آپ جدھر بھی نظر ڈالئے' وسائل و اسباب کا فقدان اور بے یاری و بے بسی' عجز و تہی دستی ہر جگہ نمایاں اور صاف نظر آئے گی' لیکن اس کے باوجود ہر موڑ پر کامیابی اور سخت سے سخت آزمائش میں ایک غیبی مدد اس طرح ساتھ ساتھ دکھائی دے گی کہ اسباب و وسائل کی اس دنیا میں اس کی کوئی قیمت نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام صرف ایک ماحول یا ایک قوم اور معاشرہ کے ''باغی'' نہیں تھے بلکہ وہ اس زمانے کے ''باغی'' تھے جو اپنا حقیقی راستہ بدل کر وسائل کی راہ پر گامزن تھا اور اسی کو اپنی معراج اور حقیقی کامیابی کا راستہ سمجھ رہا تھا' انہوں نے آ کر اعلان کیا کہ اے اہل زمانہ! تم نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ تمہاری خودی اور تمہارے مرتبہ کے کسی طرح شایان شان نہیں ہے' تم اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے بت سازی و بت پرستی میں مشغول ہو' تم انسان ہو کر ان مجسموں کے سامنے جھکتے ہو جو تم کو بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے ہیں بلکہ وہ ہر وقت تمہارے ہی محتاج رہتے ہیں' ان پر ایک مکھی بیٹھ جائے تو اس کو اڑانے کی بھی طاقت جس معبود کے اندر نہ ہو وہ بلاشبہ باطل و ناحق ہے اور اس سے لو لگانا' اس کے سامنے جبین نیاز جھکانا تمہاری سخت توہین ہے اور تمہارے منصب پر کلنک کا ٹیکا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہزاروں سال پہلے جن خود ساختہ معبودوں اور خانہ ساز اصولوں کو توڑا تھا' آج دنیا پھر انہی معبودوں اور انہی اصولوں کی پیروی کر رہی ہے۔ تاریخ نے گویا اپنے آپ کو دہرایا اور آزر کی صنعت کو آج پھر فروغ حاصل ہوا ہے۔ وسائل و اسباب کے سامنے آج عجز و عبادت کا سر خم ہو رہا ہے۔ کارساز حقیقی سے بے تعلق اور فنا ہو جانے والے اسباب پر کامل توکل و بھروسہ آج کی دنیا کا اصول بن چکا ہے۔

یہ آزری فتنہ جب بھی دنیا میں فروغ پائے گا اور وہ محدود و تنگ ماحول جہاں بھی قائم ہوگا' وہی لعنتیں اس کے ساتھ آئیں گی' معیار بدل جائے گا' ذہنی توازن متغیر ہو جائے گا' گناہوں' لذتوں اور شہوات نفس کو اخلاقی قدروں کا درجہ دے دیا جائے گا' جرم بے اصولی اور فطرت سے بغاوت کو ''فن'' اور ''خدمت'' کا لباس پہنا دیا جائے گا اور انسان نہ صرف انسان کے آگے جھکنے لگے گا بلکہ وہ گناہوں کی عبادت' نفس کی پرستش' رذالت و کمینگی کو فروغ دینے کے لئے اپنے سارے امکانات کو صرف کرنے کی پیہم کوشش میں لگ جائے گا اور انسانیت دم توڑتی ہوئی نظر آئے گی۔

فتنہ آزری آج سے ہزار ہا سال پہلے پیدا ہوا تھا لیکن آج پھر وہ تازہ دم ہے اور ساری دنیا کو اپنے تیز رو سیلاب کی زد میں لے چکا ہے' اگر پہلے ایک آزر تھا تو آج ہزاروں لاکھوں آزر پیدا ہو چکے ہیں' اگر اُس آزر نے سنگسار کرنے کی دھمکی دی تھی تو آج کے آزر لاکھوں ابراہیموں کو گولی کا نشانہ بنا چکے ہیں اور تختہ دار پر لٹکا چکے ہیں' اس آزر کا طوفان اتنا بلا خیز نہیں تھا' جتنا اس کے متبعین اور آج کے آزروں کا ہے۔

اس وقت دنیا مادیت کے سامنے اس طرح سربسجود اور اسباب و وسائل کی پرستش میں اسی طرح مشغول و منہمک ہے جس طرح ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھی' بلکہ آج اس مادیت کا دھارا پہلے سے زیادہ تیز ہے' پہلے مٹی اور پتھر کے بت پوجے جاتے تھے لیکن آج سونے چاندی کے بت اور تہذیب و تمدن کے بت اور قومیت و وطنیت کے مجسموں کی پرستش میں دنیا پوری طرح ڈوبی ہوئی ہے اور مختلف ناموں سے نفس کی پرستش میں لوگ مصروف ہیں' کبھی فن اور آرٹ کے نام سے نفس کی پوجا ہو رہی ہے تو کبھی خدمت اور ''ترقی'' کے نام سے بت پوجے جا رہے ہیں اور کہیں علم و ادب کا سائن بورڈ لگا کر مادیت کے سیلاب کو آگے بڑھایا جا رہا ہے۔

آج اس بت شکن اور بہادر مرد مومن' جری اور مخلص ابراہیم کی ضرورت ہے' جس نے اپنے نفس ایمانی سے آزر کے جادو کو توڑا اور اپنے اخلاص و عمل کے جذبہ سے آزر کے بت کدہ کو ٹھنڈا کیا' اس بت کدہ میں آج پھر بہت سے بت جمع ہو گئے ہیں اور ان کو توڑنے کے لئے ایک ابراہیم کی ضرورت ہے' لیکن بجز ابراہیم علیہ السلام کے پیروؤں کے اور کون ہو سکتا ہے جو اس مہم کو انجام دے اور ابراہیمی سنت کو پھر سے زندہ کرکے انسانیت کا خراج حاصل کرے۔

☆☆..........☆☆

اخلاص میں نور ہوتا ہے

حضرت تھانویؒ کے ہاں ایک مہمان پنجاب سے حاضر ہوئے' ان کا حضرتؒ سے بیعت کا تعلق تھا' بعد مصافحہ کرنے کے انہوں نے عرض کیا کہ کچھ پکی ہوئی مچھلی اور روغنی روٹی بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں' حضرتؒ نے دیکھ کر فرمایا: اس قدر زائد لانے کی کیا ضرورت تھی؟ تھوڑی لے آتے' عرض کیا کہ حضرت! یہ تو تھوڑی ہی ہے' حضرتؒ نے فرمایا کہ ایسے ہدایا میں سے ضرور کھانا چاہئے' اس میں ایک نور ہوتا ہے' ہمارے حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحبؒ کا معمول تھا کہ ایسی چیز میں سے ضرور کچھ تھوڑا بہت کھا لیتے' حضرت حاجی صاحبؒ کا رنگ تو عجیب تھا' یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ حضرت حاجی صاحبؒ لذائذ سے بچے ہوئے ہیں' آپ کھاتے تھے اور بہت قلیل' یہ بہت مشکل بات ہے کہ کھائے اور کم کھائے' اس سے یہ آسان ہے کہ بالکل نہ کھائے مگر حضرت حاجی صاحبؒ کا یہ معمول تھا کہ کیسی ہی کوئی چیز آ گئی مثلاً انگور وغیرہ' بس ایک دانہ اٹھا کر تناول فرمایا اور باقی کو تقسیم کرا دیا' یہ بہت ہی دقیق زہد تھا' حضرت حاجی صاحبؒ ایسی چیزوں کی نسبت یوں بھی فرمایا کرتے تھے کہ جو چیز حب فی اللہ کی وجہ سے آئے اسے ضرور کھائے' اس میں نور ہوتا ہے۔

اللہ کرے کہ آپ کبھی بیمار نہ ہوں، پھر بھی اگر کبھی بیماری لاحق ہو جائے تو علاج کیلئے ضلع راولپنڈی کے ... تجربہ کار طبیب
حکیم قاری محمد یونس ایم۔اے (پنجاب)
فاضل طب والجراحت
... فیض بخش ... فائدہ اٹھائیں۔ یاد رکھیں کوئی مرض لاعلاج نہیں
دواخانہ تحفظ ختم نبوت C/56.J.K ... وقف ۱۹۸۴ء برائے مالی مجلس تحفظ ختم نبوت ...
سرکلر روڈ راولپنڈی فون 5551675 اوقات ملاقات: صبح 9 تا رات 9 بجے بروز جمعۃ المبارک: بعد نماز عصر تا رات 9 بجے

تھوڑی دیر اہل علم کے ساتھ

مرسلہ: عبداللہ

ایک مسلم گورنر کا معیار زندگی:

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ شام کے گورنر تھے' اسی زمانے میں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ معمول کے دورے پر شام تشریف لائے۔ ایک دن حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا: مجھے اپنے گھر لے چلئے! حضرت ابوعبیدہؓ نے جواب دیا: آپ میرے گھر جاکر کیا کریں گے؟ وہاں آپ کو شاید میری حالت پر آنکھیں نچوڑنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہو؟ لیکن جب حضرت عمرؓ نے اصرار فرمایا تو وہ ان کو اپنے گھر لے گئے' حضرت عمرؓ گھر میں داخل ہوئے چاروں طرف نظریں گھمائیں' لیکن وہاں کوئی سامان ہی نظر نہ آیا' پورا گھر ہر قسم کے سامان سے خالی تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرط حیرانی سے سوال کیا: آپ کا سامان کہاں ہے؟ یہاں تو بس ایک نمدہ' ایک پیالہ اور ایک مشکیزہ نظر آرہا ہے آپ تو امیر شام ہیں۔

حضرت عمرؓ نے قدرے توقف کے بعد پھر پوچھا: اچھا آپ کے پاس کھانے کی بھی کوئی چیز ہے؟ یہ سن کر حضرت ابوعبیدہؓ ایک طاق کی طرف بڑھے اور وہاں سے روٹی کے کچھ ٹکڑے اٹھالائے' حضرت عمرؓ نے دیکھا تو رو پڑے۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے عرض کیا: امیر المومنین! میں نے تو پہلے ہی آپ سے عرض کیا تھا کہ آپ میری حالت پر آنکھیں نچوڑیں گے' بات دراصل یہ ہے کہ انسان کے لئے اتنا اثاثہ کافی ہے' جو اسے اپنی دائمی خوابگاہ (قبر) تک پہنچادے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ابوعبیدہ! دنیا نے ہم سب کو بدل دیا' مگر تمہیں نہیں بدل سکی۔ (سیر اعلام النبلاء ج اوّل ص:۱۷)

اللہ کا خوف مخلوق کا ڈر دل سے نکال دیتا ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ تیار ہوکر سفر کے لئے نکل کھڑے ہوئے' چلتے چلتے ایک جگہ دیکھا کہ بہت سارے لوگوں کی بھیڑ سر راہ کھڑی ہوئی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ بھی وہاں پہنچ کر رک گئے' لوگوں کے خوفزدہ اور سراسیمہ چہروں پر ایک نظر ڈالی اور دریافت فرمایا: کیا بات ہے؟ یہ لوگ یہاں بیچ راستے میں کیوں کھڑے ہیں؟ کسی نے جواب دیا: حضرت! آگے بیچ راستے پر ایک شیر کھڑا ہے' یہ سب لوگ اس کے خوف سے آگے نہیں بڑھ رہے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ یہ سن کر اپنی سواری سے اتر گئے اور پیدل چل کر اس جگہ تک پہنچے' دیکھا تو واقعی وہاں شیر موجود ہے' وہ بلا خوف وتردد آگے بڑھے' شیر کا کان پکڑا اور اس کی گدی پر ہاتھ مارا' بس اتنا ہی کافی تھا' شیر نے راستہ چھوڑ کر جنگل کی راہ پکڑی۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا:

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے متعلق بالکل سچ فرمایا تھا کہ یہ انسان پر اس وقت مسلط کیا جاتا ہے جب وہ اس سے ڈرتا ہے' اگر آدمی صرف اللہ سے ڈرے تو اللہ کا غیر اس پر مسلط نہیں کیا جاتا' آدمی کو اس کے حوالے کردیا جاتا ہے' جس سے وہ امیدیں وابستہ کرتا ہے' اگر آدمی صرف اللہ سے امیدیں لگائے تو اللہ اس کو کبھی اپنے غیر کے سپرد نہ کرے۔'' (اسد الغابہ جلد سوم ص:۲۲۹)

اللہ اپنی مخلوق کو رزق کیسے دیتے ہیں:

علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں آیت: ''وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا'' کے ذیل میں ایک بہت سبق آموز واقعہ بیان کیا ہے' ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ خیال آیا کہ اللہ ساری دنیا کو رزق کس طرح دیتا ہے' یہ شک وشبہ نہیں تھا' انبیا علیہم السلام کا ایمان کامل ہوتا ہے' بس مجرد ایک خیال تھا' اس حقیقت کو جاننے کے لئے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اس چٹان پر لاٹھی مارو' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب ایک بار چٹان پر ڈنڈا مارا تو ایک تہہ اڑ گئی' دوسری بار مارا تو

چٹان کی دوسری تہہ اڑ گئی' تیسری بار حضرت موسیٰ کے ڈنڈے کی ضرب سے جب چٹان اڑی تو دیکھا کہ اس کے اندر ایک کیڑا ہرا پتہ کھا رہا ہے' حالانکہ تین چٹانوں کے اندر کہیں کوئی سوراخ بھی نہیں تھا' دراصل اللہ جل شانہ کو دکھانا مقصود تھا کہ ہم رزق اس طرح پہنچاتے ہیں۔ علامہ آلوسیؒ نے مزید لکھا ہے کہ چٹان کی تیسری تہہ میں چھپا ہوا کیڑا نہ صرف ہرا پتہ کھا رہا تھا' بلکہ وہ یہ وظیفہ بھی پڑھ رہا تھا:

"سبحان من یرانی (پاک ہے وہ اللہ جو مجھے دیکھ رہا ہے) ویسمع کلامی (اور جو میری بات کو سنتا ہے) ویعرف مکانی (اور جو میرے رہنے کی جگہ کو بھی جانتا ہے)۔"

(تفسیر روح المعانی ج ۱۲ص ۲)

اسی طرح کا ایک بصیرت افروز واقعہ مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات "صحبتے با اولیاء" میں بھی نقل کیا ہے' حضرت شیخ الحدیثؒ نے ارشاد فرمایا کہ ڈاکوؤں کی ایک جماعت کہیں جا رہی تھی' راستہ میں انہوں نے دیکھا کہ دو درخت ہیں' ایک انگور کا سرسبز درخت ہے اور دوسرا کیکر کا خشک' ایک بلبل بار بار انگور کے درخت سے اس کا دانہ چونچ میں لے کر کیکر کے درخت پر جا رہی ہے' ڈاکوؤں کے سردار کو اس پر بڑا تعجب ہوا' جب غور کیا تو دیکھا کہ کیکر کے خشک درخت پر ایک اندھا سانپ منہ کھولے ہوئے ہے' وہ بلبل دانہ لاکر اس کے منہ میں ڈال دیتی ہے' اس نے اپنے دل میں سوچا کہ جب ایک اندھے سانپ کی روزی کا اللہ جل شانہ نے یہ انتظام فرما رکھا ہے تو کیا وہ ہمارے لئے نہ کرے گا؟ چنانچہ یہ واقعہ اس کی ہدایت کا بہانہ بن گیا' اس سردار نے اور اس کے ساتھیوں نے توبہ کی اور لوگوں کے سامان' کپڑے' وغیرہ سب واپس کردیئے یا مالک کے نہ ملنے پر خیرات کر دیئے۔ (صحبتے با اولیاء ص:۲۵۹)

آخر گورنر کس بات کے لئے ہوں:

حضرت سلمان فارسیؓ مدائن کے گورنر ہیں' رعایا کی دیکھ بھال کے لئے بازاروں میں گشت کر رہے ہیں' لیکن بدن مبارک پر ایسی پوشاک ہے جس سے کسی مزدور پیشہ آدمی ہونے کا شبہ ہوتا ہے' چونکہ مدائن میں اس وقت ایک بڑا میلہ لگنے جا رہا ہے' اس لئے تاجروں کے قافلے ساز و سامان لئے چلے آ رہے ہیں۔ ابھی ابھی ایک قافلہ رکا ہے' ان تاجروں کو سامان اٹھانے کے لئے کسی مزدور کی تلاش ہے' سامنے ہی حضرت سلمان فارسیؓ نظر آ جاتے ہیں تو یہ تاجران کو آواز دے کر ان سے اپنا سامان اٹھواتے ہیں' راستہ میں لوگوں کی نظر جب حضرت سلمان فارسیؓ پر پڑتی ہے تو وہ لوگ ان تاجروں سے کہتے ہیں کہ تم لوگوں نے یہ کیا غضب کیا؟ یہ تو مدائن کے گورنر حضرت سلمان فارسیؓ ہیں' یہ سنتے ہی تاجر حواس باختہ ہو جاتے ہیں اور وہ حضرت سلمان فارسیؓ سے معافی کے خواستگار ہوتے ہیں' حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں: اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے کہ میں تم لوگوں کا سامان منزل تک پہنچا دوں' آخر گورنر کس بات کے لئے ہوں؟ (کچھ دیر اہل حق کے ساتھ ص ۶۲)

والدین کو ایذا پہنچانے کی سزا دنیا میں ہی مل جاتی ہے:

مشکوٰۃ شریف میں مروی ایک حدیث کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"اللہ جل شانہ اپنی منشا سے تمام گناہوں کی مغفرت فرما دیتے ہیں' مگر والدین کی نافرمانی اور ایذا رسانی کرنے والے کو مرنے سے پہلے اسی زندگی میں اس کے عمل کی سزا بھگتنا پڑتی ہے۔"

اس حدیث کی شرح میں محدثین فرماتے ہیں کہ دیگر گناہوں کی سزا مرنے کے بعد آخرت میں ملے گی' لیکن ماں باپ کا دل دکھانے والوں کو اسی دنیا میں سزا مل جاتی ہے' اور اس وقت تک موت نہیں آ سکتی جب تک اس کا بدلہ نہ مل جائے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ملفوظات میں مذکورہ حدیث ذکر کر کے ایک واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک شخص نے اپنے باپ کے گلے میں رسی باندھی اور اس کو گھسیٹتا ہوا بسواڑی (بانس کے درختوں) تک لے گیا' جو سامنے دس بیس گز کے فاصلے پر تھی' وہاں پہنچ کر باپ نے بیٹے سے کہا کہ بیٹا! اب اس کے آگے مت کھینچنا ورنہ تو ظالم ہو جائے گا۔ بیٹا تعجب سے بولا: میں نے یہ جو بیس گز تک رسی باندھ کر آپ کو کھینچا ہے تو کیا ابھی تک میں ظالم نہیں ہوں؟ باپ نے کہا: ہاں! تو ابھی تک ظالم نہیں ہوا کیونکہ میں نے ابھی اپنے بابا کو یعنی تیرے دادا کو اسی طرح یہاں تک کھینچا تھا' لہٰذا! ابھی تک مجھے اپنے عمل کا بدلہ ملا' اب اس جگہ سے اگر تو آگے بڑھے گا تو ظالم ہو جائے گا۔

(مواعظ درد محبت حکیم اختر صاحب ص:۲۲۵)

غایت احتیاط و تقویٰ کی چند روشن مثالیں:

۱:......حضرت ابوبکر صدیقؓ جب خلیفہ ہوئے تو ان کی تجارت بند ہوگئی اور بیت المال سے ان کے لئے ڈھائی ہزار درہم سالانہ مقرر کئے گئے' اسی پر آپ کا گزارا تھا۔ ایک دن اہلیہ نے کہا کہ شیرینی کھانے کو جی چاہتا ہے' فرمایا کہ بیت المال سے ملنے والے وظیفہ میں سے تھوڑا تھوڑا بچاؤ' باقی صفحہ 9 پر

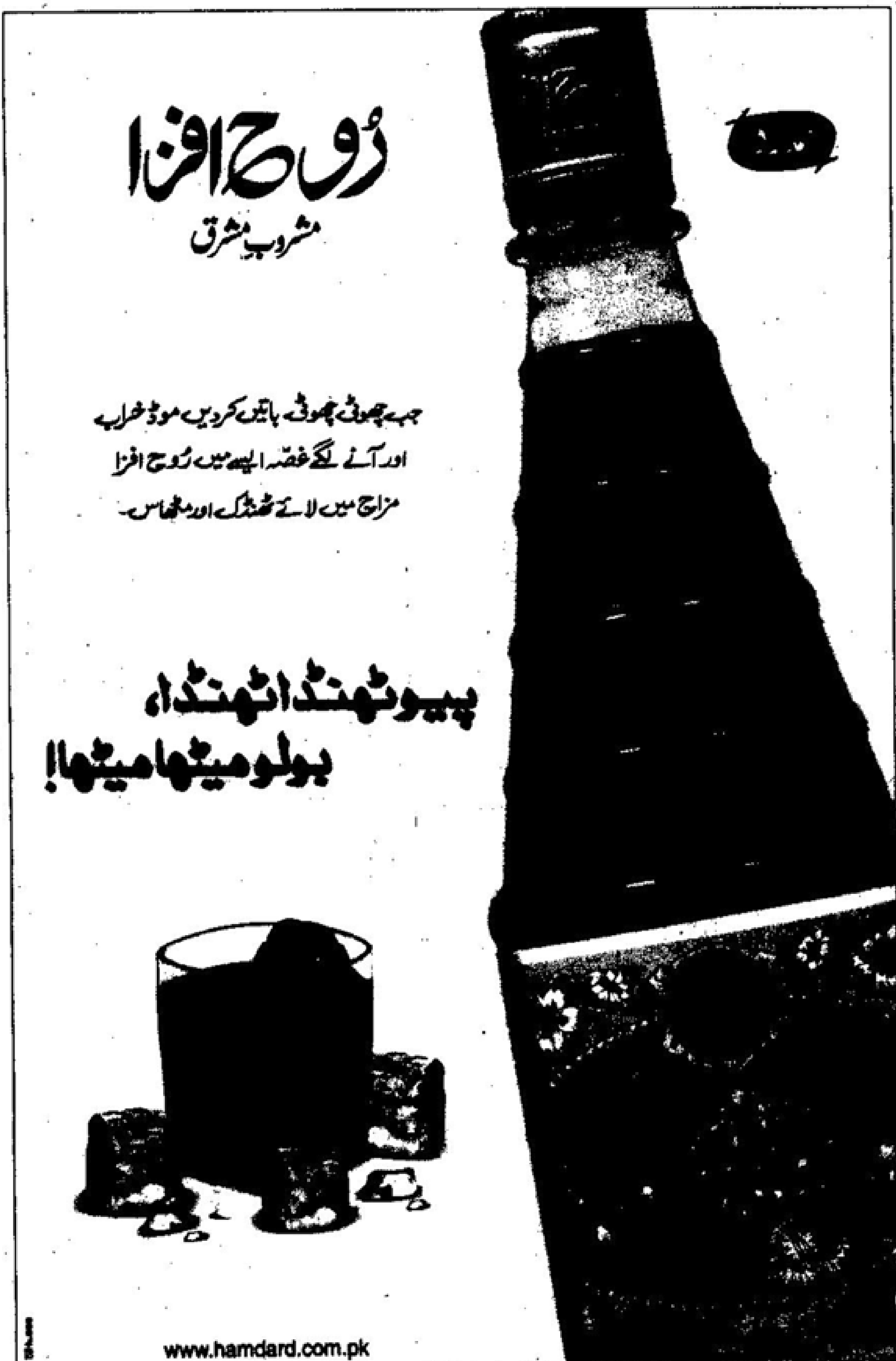

روح افزا
مشروبِ مشرق
جب چھوٹی چھوٹی باتیں کردیں موڈ خراب
اور آنے لگے غصہ ایسے میں روح افزا
مزاج میں لائے ٹھنڈک اور مٹھاس۔
پیو ٹھنڈا ٹھنڈا،
بولو میٹھا میٹھا!
www.hamdard.com.pk

میدانِ مُباحثہ اور مرزائی گروہ

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

مرزا غلام احمد قادیانی کی ساری تگ و دو کاغذی پتنگ بازی تک محدود تھی' انہوں نے علمائے امت کو للکارنے اور پھر قادیان کے ''بیت الفکر'' کے گوشہ عافیت میں پناہ گزیں ہوجانے کا فن بطور خاص ایجاد کیا تھا۔ مرزا صاحب کی اس حکمت عملی سے مباحثہ کی اول تو نوبت ہی نہ آتی' اگر مرزا صاحب کی بدقسمتی سے اس کا موقع آ ہی جاتا' تو ان کی شکست و ناکامی ہی ''فتح مبین'' کا بروز اختیار کرلیتی تھی۔ یہاں بطور مثال چند واقعات کا مختصر تذکرہ کافی ہوگا:

ا:...... ۳/مئی ۱۸۹۱ء کو مرزا صاحب نے علمائے لدھیانہ کو مناظرہ کا چیلنج کیا کہ حیاتِ مسیح پر مجھ سے مناظرہ کرلیں۔ علمائے لدھیانہ نے جواب دیا کہ ہم آج سے آٹھ سال پہلے آنجناب کے کفر اور خروج از اسلام کا فتویٰ دے چکے ہیں' اس لئے کوئی جگہ تجویز کرکے ہمیں مطلع کیجئے' ہم بلاتاخیر وہاں پہنچ جائیں گے' آنجناب پہلے اپنا اسلام ثابت کرکے دکھائیں' اس کے بعد حیات مسیح اور دیگر مسائل پر بھی گفتگو ہوجائے گی' لیکن مرزا صاحب نے اس کے جواب میں ''خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید'' پر عمل کیا' اور علمائے لدھیانہ کا چیلنج آج تک قائم ہے' کوئی قادیانی اس کا جواب نہیں دے سکا' نہ انشاء اللہ قیامت تک دے سکتا ہے (اس مباحثہ ظلی کی روئیداد ''رئیس قادیان'' جلد دوم مولفہ مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ میں ملاحظہ فرمایئے)۔

۲:...... مرزا صاحب کے منجھلے صاحبزادے مرزا بشیر احمد ایم اے نے ''سیرۃ المہدی'' صفحہ ۲۳۸ جلد اول میں مرزا صاحب کے پانچ مباحثوں کا ذکر کیا ہے' ایک آریہ سے ہوا' ایک عیسائی سے اور تین مسلمانوں سے' بدقسمتی یہ کہ ان میں سے چار کی روئیداد پڑھ کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ مرزا صاحب میدان چھوڑ کر بھاگے اور بعد میں ان کی یہ شکست ''فتح مبین'' قرار پائی...... اور پانچویں مباحثہ میں تو مولانا عبدالحکیم کلانوری نے مرزا صاحب سے دعویٰ نبوت سے توبہ کرائی' اور ان سے یہ تحریر لی کہ وہ آئندہ ''نبوت'' کا لفظ استعمال نہیں کیا کریں گے۔ یہ ان کی پہلی ''فتح مبین'' تھی' لیکن بعد میں مرزا صاحب نے توبہ توڑ ڈالی اور اس تحریری توبہ نامہ سے انحراف کیا' یہ ان کی دوسری ''فتح مبین'' تھی (اس کی تفصیل مرزا صاحب کے اشتہارات میں موجود ہے)۔

۳:...... مرزا صاحب نے جب دیکھا کہ مباحثات کی وادی پُرخار میں ان کے پاؤں شل ہوچکے ہیں اور مباحثوں میں ان کی ذلت نما ''فتح'' دن بدن نمایاں ہورہی ہے' تو انہوں نے الہامی اعلان کردیا کہ وہ آئندہ علماً سے مباحثہ نہیں کیا کریں گے۔ (انجام آتھم ص:۲۸۲)۔ یہ مرزا صاحب کی فتح کا آخری اعلان تھا۔

۴:...... مرزا صاحب کے اس بہادرانہ اعلان کے بعد لازم تھا کہ قادیانی صاحبان کبھی مناظرہ و مباحثہ کا نام نہ لیتے' لیکن انہیں شاید یہ احساس تھا کہ وہ علم و فضل اور فہم و دانائی میں مرزا صاحب سے فائق ہیں' اس لئے اگر مرزا صاحب نے مناظروں اور مباحثوں سے ''توبہ'' کرلی ہے تو یہ حکم صرف انہی کی ذاتی لیاقت سے متعلق ہے' ان کی امت پر اس کی تعمیل واجب نہیں' چنانچہ قادیانی صاحبان مرزا صاحب کے اس اعلان کے بعد بھی مناظرہ کے چیلنج کرتے رہے' (خود مرزا صاحب کی زندگی میں بھی اور ان کے انتقال بمرض ہیضہ کے بعد بھی)۔ مناظروں کی نوبت اکثر پیش آئی' نتیجہ وہی ''فتح'' بصورت شکست۔ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ جو دارالعلوم دیوبند کے رئیس المناظرین تھے اور جنہیں قادیانی خانوادہ سے گفتگو اور مباحثہ کے بہت سے مواقع پیش آئے تھے' قادیانی مباحثوں پر بلیغ تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علماءِ اسلام نے مرزا صاحب کی لغویات باطلہ کا پورا رد اور خود ان کا کذاب ومفتری ہونا ایسا ثابت کر دیا کہ منصف کے لئے تو کافی ہی ہے مرزائی ہٹ دھرموں کے بھی منہ بند کر دیے اور قلم توڑ دیئے اور ان کو جواب کی تاب نہ رہی لہٰذا اب نہ مناظرہ کی ضرورت نہ مباہلہ کی فقط جاہل مریدوں کو جہنم تک پہنچانے کے لئے یہ راہ اختیار کی جاتی ہے کہ کہیں مناظرہ کا اشتہار کہیں مباہلہ کا چیلنج ورنہ وہ نہ مناظرہ کر سکیں نہ مباہلہ:

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ہمیں عام مسلمانوں پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ علمائے اسلام اپنا فرض ادا فرما چکے اور نہ ماننا اور نہ تسلیم کرنا یہ محض ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے ہے ورنہ مناظرے بھی ہو چکے اور جس کو فتح دینی تھی اور جس کو ذلیل کرنا تھا وہ بھی ہو چکا......

سرور شاہ (قادیانی) امیر وفد مونگیر سے دریافت کر لو حافظ روشن علی صاحب مختار احمد صاحب شاہ جہانپوری غلام رسول پنجابی (قادیانی مناظر) ان میں سے جو زندہ ہوں ان سے دریافت کرلو...... موضع مونگیر و بھاگلپور کے رہنے والوں سے دریافت کرلو...... (مونگیر کے مناظرہ میں جب ذلت کی کوئی حد باقی نہ رہی تو امیر وفد نے فرمایا کہ یہ بھی حضرت کی پیشگوئی پوری ہوئی کہ ایک جگہ تمہیں ذلت ہوگی جی ہاں! کیوں نہیں؟ اگر اسی بدعقیدہ پر مرگئے جب بھی خدا چاہے پیشگوئی ہی پوری ہوگی۔"

(صحیفۃ الحق ص:۴،۳)

۵:...... علمائے دیوبند کے جواب میں ۱۶/ جولائی ۱۹۲۵ء کے "الفضل" میں خاص مرزا محمود صاحب کے قلم سے قرآن دانی کے دو چیلنج شائع ہوئے حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ نے "قادیان میں قیامت خیز بھونچال" میں اس کا جواب تحریر فرمایا اس کی تمہید میں لکھتے ہیں:

"دونوں پرچوں کے مضامین کے جواب کا نام "والقعۃ الواقعہ" اور لقب "عذاب اللّٰہ الشدید علی المنکر العنید" ہے جس میں ڈیڑھ درجن سے زائد قادیانیوں کی وہ شکستیں اور علمائے دیوبند کی وہ صاف اور ظاہر فتحیں اور قیامت خیز نصرتیں بیان کی گئی ہیں کہ مرزا محمود صاحب تو کیا؟ اگر خود بالفرض مرزا صاحب بھی بروز فرمائیں تو ان کو خدا چاہے بجز اقرار یا سکوت اور دم بخود رہنے کے کوئی چارہ ہی نہ ہوگا چونکہ وہ رسالہ طویل ہو گیا ہے طبع میں کچھ دیر ہوگی بایں وجہ صرف "خلیفہ" صاحب کے چیلنج کے متعلق یہ "زلزلۃ الساعۃ" نمونہ کے طور پر شائع کیا جاتا ہے۔"

اس کے بعد حضرت مولانا نے مرزا محمود صاحب کے چیلنج کا ذکر کرتے ہوئے ان سے تین ہفتہ میں اس کا جواب لکھنے کی فرمائش کی مگر مرزا محمود نے حسب سابق خاموشی میں ہی سلامتی سمجھی اس کے بعد حضرت مولانا نے بھی سکوت ہی اختیار فرمایا اسی رسالہ میں "خلیفہ" صاحب کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا فرماتے ہیں:

"صاحبزادہ صاحب! آپ اور معارف قرآنیہ بیان فرمائیں؟ اور وہ بھی علمائے دیوبند کے سامنے؟

دعویٰ زبان کا لکھنو والوں کے سامنے
ہے چھپے ہوئے مشک غزالوں کے سامنے

سن لو! ایک گھنٹہ میں فیصلہ ہوتا ہے ہمارا خیال ہے کہ معارف قرآنیہ تو درکنار؟ آپ تو علمائے محققین کے دو چار ورق بھی صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھ کر ان کی عبارت کا صحیح مطلب بیان نہیں کر سکتے بٹالہ لاہور امرتسر لدھیانہ پشاور اور تمہارا جی چاہے تو کابل چلے چلو۔ محققین اسلام نے جو کتابیں لکھی ہیں اور جن معارف الٰہیہ کو بیان کیا ہے جو جگہ ہم تجویز کریں اس جگہ سے کتاب کے دو ورق کی صحیح عبارت مجمع عام میں پڑھ کر بامحاورہ ترجمہ کرنے کے بعد مطلب صحیح بیان کرو اگر مطلب غلط بیان کیا تو اسی مجمع میں آپ پر اعتراض کیا جائے گا آپ جواب دیں اگر آپ نے صحیح عبارت پڑھ کر صحیح مطلب بیان کر دیا تو ہم مجمع عام میں یہ اقرار کریں

گے کہ مرزا محمود صاحب کو عبارت پڑھنے کا سلیقہ ہے۔“ (ص:۸)

مرزا محمود نے اس کے جواب میں ایسی چپ سادھی کہ ”خبرے نیست کہ ہست“ کا مضمون صادق آیا۔

۶:...... حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ نے ایک رسالہ ”اول السبعین“ کے نام سے تحریر فرمایا‘ جس میں لاہوری جماعت کے ”امام“ مسٹر محمد علی صاحب اور قادیانی جماعت کے ”خلیفہ“ مرزا محمود صاحب سے مسئلہ نبوت کے بارے میں ان کے مذہب کی وضاحت طلب کرنے کے لئے ستر سوالات کئے اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ جواب خواہ دونوں امیر صاحبان خود لکھیں یا اپنے کسی ماتحت سے لکھوائیں‘ مگر دستخط ان دونوں صاحبوں کے ہونے لازم ہیں۔ قادیانی امت کے ذمہ دار اس رسالہ کے جواب میں جب سے اب تک خاموش ہیں۔

مباحثہ مونگیر کا تذکرہ حضرت مولانا مرتضیٰ حسنؒ کی عبارت میں ابھی اوپر گزر چکا ہے‘ جس میں قادیانیوں کو ذلت آمیز شکست ہوئی اور مرزائیوں کے امیر وفد سرور شاہ کو بھی ذلت کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہ رہا۔ اسی نوعیت کا ایک مباحثہ فیروز پور میں ہوا‘ جس میں قادیانیوں نے من مانی شرائط پر مناظرہ کیا‘ لیکن علمائے دیوبند کے ہاتھوں ایسی شکست اٹھائی کہ انہیں مدت تک نہ بھولی۔ اس مباحثہ کا مختصر سا تذکرہ ”بیس بڑے مسلمان“ میں بالفاظ ذیل کیا گیا ہے:

”فیروز پور میں مرزائیوں کے ساتھ ایک مناظرہ طے پایا‘ اور عام مسلمانوں نے‘ جو فن مناظرہ سے ناواقف تھے‘ مرزائیوں کے ساتھ بعض ایسی شرائط پر مناظرہ طے کر لیا‘ جو مسلمان مناظرین کے لئے خاصی پریشان کن ہوسکتی تھیں‘ دارالعلوم دیوبند کے اس وقت کے صدر مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت (مولانا محمد انور) شاہ صاحب کشمیری (کے مشورے سے مناظرے کے لئے) حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ‘ حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھیؒ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ تجویز ہوئے۔ یہ حضرات جب فیروز پور پہنچے تو مرزائیوں کی شرائط کا علم ہوا کہ انہوں نے کس طرح دجل سے من مانی شرائط سے مسلمانوں کو جکڑ لیا ہے‘ اب دو ہی صورتیں تھیں کہ یا تو ان شرائط پر مناظرہ کیا جائے یا پھر انکار کر دیا جائے‘ پہلی صورت مضر تھی‘ دوسری صورت مسلمانان فیروز پور کے لئے سبکی کا باعث ہوسکتی تھی کہ دیکھو! تمہارے مناظر بھاگ گئے۔ انجام کار انہی شرائط پر مناظرہ کرنا منظور کیا گیا‘ اور حضرت (مولانا محمد انور) شاہ صاحب (کشمیریؒ) کو تار دے دیا گیا۔ اگلے روز مقررہ وقت پر مناظرہ شروع ہوگیا اور عین اسی وقت دیکھا گیا کہ حضرت (مولانا محمد انور) شاہ صاحب (کشمیریؒ) بہ نفس نفیس حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں‘ انہوں نے آتے ہی اعلان فرمایا کہ جایئے! ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تم نے جتنی شرائط مسلمانوں سے منوالی ہیں‘ اتنی شرائط اور من مانی لکھوالو‘ ہماری طرف سے کوئی شرط نہیں‘ مناظرہ کرو اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو۔ چنانچہ اسی بات کا اعلان کر دیا گیا‘ اور مفتی صاحبؒ مولانا ادریس کاندھلویؒ اور مولانا سید بدر عالم صاحبؒ نے مناظرہ کیا‘ اس میں مرزائیوں کی جو درگت بنی‘ اس کی گواہی آج بھی فیروز پور کے درودیوار دے سکتے ہیں‘ مناظرے کے بعد شہر میں جلسہ عام ہوا‘ جس میں حضرت (مولانا محمد انور) شاہ صاحب (کشمیریؒ) اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے تقریریں کیں‘ یہ تقریریں فیروز پور کی تاریخ میں یادگار خاص کی نوعیت رکھتی ہیں۔ بہت سے لوگ جو قادیانی دجل کا شکار ہو چکے تھے‘ اس مناظرہ اور جلسہ کے بعد اسلام میں واپس لوٹ آئے۔“ (بیس بڑے مسلمان ص:۳۹۵ طبع سوم)

خلاصہ یہ کہ مرزائیوں کے ساتھ علمائے دیوبند کے سینکڑوں تقریری و تحریری مباحثے ہوئے اور بحمداللہ! ہر موقع پر قادیانیوں کو میدان ہارنا پڑا۔ اسی سلسلہ میں علمائے دیوبند کی جانب سے متواتر ایک سال تک اشتہارات بھی نکلتے رہے‘ مگر قادیانیوں نے جواب دہی سے توبہ کر لی۔

☆☆............☆☆

عالمی خبروں پر ایک نظر

قادیانیت سے توبہ اور قبول اسلام

پشاور (خصوصی رپورٹ) مشہور خاندانی قادیانی نعیم احمد میر کی بیٹی ناعمہ نعیم بی اے ایل ایل بی نے گزشتہ دنوں قادیانیت سے تائب ہوکر اسلام قبول کرلیا۔ تفصیلات کے مطابق ناعمہ نعیم نے ابتدا میں عدالت کے ذریعہ قبول اسلام کے تحریری اقرار کے بعد اپنے قادیانی والدین کے گھر میں قادیانی رشتہ داروں اور دیگر قادیانیوں کی موجودگی میں ایک مسلم حافظ قرآن نوجوان ہدایت اللہ سے شادی کی۔ اس موقع پر ہدایت اللہ کا کوئی مسلمان رشتہ دار موجود نہ تھا' بعد ازاں انہوں نے اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز لڑکی کے باپ نعیم احمد میر قادیانی کے گھر سے کیا اور ہدایت اللہ نے گھر داماد کی حیثیت سے اپنے قادیانی سسرالیوں کے گھر میں رہائش اختیار کی' شادی کے بعد سیر و تفریح کی غرض سے اس جوڑے نے لاہور اور چناب نگر جاکر قادیانی رشتہ داروں کے ہاں قیام کیا' اس طرح ہدایت اللہ قادیانیت کے مکروہ اور غلیظ ماحول میں رہ کر قادیانیت کے بیعت فارم پر دستخط کرکے قادیانی بن گیا۔ پشاور واپسی کے بعد ہدایت اللہ کو اپنی بدبختی کا احساس ہوا' کچھ عرصہ اسی پریشانی میں گزرا۔ اب وہ اس کفر کے اندھیرے سے نکلنے کی سوچ میں فکر مند ہوگیا۔ آخرکار اس نے اپنے ایک قابل اعتماد دوست کو اپنی داستان الم سنائی اور اس سے درخواست کی کہ وہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ذمہ داران سے مل کرا سے اس جہنم سے نکالنے کی کوئی صورت بنائے۔ اس دوست نے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مقامی ناظم مولانا نورالحق نور سے رابطہ کرکے ان سے پوری روئیداد بیان کی۔ مولانا نورالحق نور نے فوری طور پر ہدایت اللہ کے والد سے رابطہ کیا اور بعد ازاں مجلس کے ایک مقامی ساتھی جناب حاجی نظام اللہ صاحب کے ہمراہ ہدایت اللہ کے والد سے تفصیلی ملاقات کے ذریعہ ساری صورتحال ان پر واضح کی' جس پر ہدایت اللہ کے والد نے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کو اپنے مکمل تعاون کا یقین دلاتے ہوئے اس سلسلہ میں ہر قسم کی قربانی دینے کے عزم کا اظہار کیا۔ بعد ازاں ہدایت اللہ سے رابطہ کیا گیا اور پہلی ملاقات کا اہتمام کیا گیا جس میں ہدایت اللہ نے سب کچھ کہہ سنایا اور ساتھ ہی قادیانیت کے بیعت فارم پر دستخط کرنے کا بھی اقرار کیا۔ اس پر واضح کیا گیا کہ لڑکی کے اسلام قبول کرنے کے تحریری اور زبانی اقرار کے بعد اس سے مسلمان عالم نے تمہارا نکاح پڑھایا تھا' قادیانیت کا بیعت فارم پُر کرنے کے بعد اس لڑکی سے نکاح ٹوٹ چکا ہے' حاجی نظام اللہ صاحب' حاجی اقبال شاہ صاحب کے ہمراہ ہدایت اللہ اور اس کے والد سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ امیر مجلس پشاور مولانا مفتی شہاب الدین پوپلزئی اور مجلس کے دیگر رفقاء کی مخلصانہ دعاؤں اور تعاون سے رب کریم نے امداد فرمائی اور ناعمہ نعیم نے علماء کرام اور معززین کی موجودگی میں اپنے قادیانی والدین اور جملہ قادیانی رشتہ داروں سے ہر قسم کے تعلقات ختم کرنے کا اعلان کرکے دوبارہ تجدید ایمان اور تجدید نکاح کرنے کا تحریری و تقریری اقرار کیا۔ علماء کرام' معززین شہر اور وکلاء صاحبان کے مشورہ سے مولانا مفتی شہاب الدین پوپلزئی نے ہدایت اللہ سے بھری محفل میں تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا تحریری و تقریری اعلان کرایا' اس مجلس میں ہدایت اللہ کے والد مولانا مظفر اللہ ظہیر اور ان کے قریبی رشتہ دار بھی بڑی تعداد میں موجود تھے۔ تجدید ایمان کے کاغذات کی تکمیل کے بعد مولانا محمد عزیز شیخ الحدیث حدیقۃ العلوم پشاور نے شرعی گواہوں کی موجودگی میں ہدایت اللہ اور ناعمہ نعیم کا تجدید نکاح کروایا۔ اس موقع پر مولانا مظفر اللہ ظہیر' مولانا محمد عزیز اور دیگر شرکاء نے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پشاور کے جملہ رفقاء کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور مجلس کے مرکزی قائدین خصوصاً امت مسلمہ کے مشترکہ قائد شیخ المشائخ' خواجہ خواجگان' حضرت مولانا خان محمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت' سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کی خصوصی توجہ اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ پشاور کی مجلس کے کارکنان مولانا مفتی محمد شہاب الدین پوپلزئی کی نگرانی میں اپنا اصولی اور نیک مقصد حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ دعا ہے کہ رب کریم نو مسلم جوڑے کو دین اسلام پر استقامت نصیب فرمائے۔ آمین۔

انوار مدینہ

حضرت شاہ نفیس الحسینی مدظلہ

اللہ رے یہ وسعت آثار مدینہ
عالم میں ہیں پھیلے ہوئے انوار مدینہ

روشن رہیں دائم در و دیوار مدینہ
تا حشر رہے گرمی بازار مدینہ

ہے شہر نبیؐ آج بھی فردوس بداماں
جاری ہے وہی موسم گلبار مدینہ

پھرتے ہیں تصور میں وہ پُر کیف مناظر
تاحد نظر ہیں گل و گلزار مدینہ

جس قلب میں یاران نبیؐ کی ہو عقیدت
کھلتے ہیں اسی قلب پہ اسرار مدینہ

معمور صحابہؓ کی محبت سے رہے گا
وہ سینہ کہ ہے مہبط انوار مدینہ

وہ آل محمدؐ ہوں کہ اصحابؓ محمدؐ
ہیں زینت دربار دُرربار مدینہ

نسبت نہیں شاہوں سے نفیس اہل نظر کو
کافی ہے انہیں نسبت سرکار مدینہ

REGD. NO. SS-160

24 ویں

سالانہ دو روزہ عظیم الشان

ختمِ نبوت کانفرنس

29، 30 / ستمبر 2005ء بمطابق ۲۴، ۲۵ / شعبان ۱۴۲۶ھ

بروز جمعرات، جمعۃ المبارک

بمقام: مُسلم کالونی چناب نگر

زیر صدارت: مخدوم المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ
امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

علماء، مشائخ، سیاسی قائدین، دانشور اور وکلاء خطاب فرمائیں گے

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان، ملتان

فون	ملتان	کراچی	لاہور	اسلام آباد	راولپنڈی	سرگودھا	گوجرانوالہ	فیصل آباد	چناب نگر	کوئٹہ	مخدوم پور
نمبر	514122	7780337	5862404	829186	5551675	710474	215663	633522	212611	841995	71613